الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جون 2026

نصاب تعلیم اور روحانیت

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اپنے تعلیمی ڈھانچے کی بنیادوں کو دوبارہ استوار کریں۔ ہمارا ماننا ہے کہ نصابِ تعلیم میں روحانیت کی شمولیت صرف اضافی انتخاب نہیں بلکہ ایک ناگزیر ضرورت ہے، تاکہ ہم ایسی نسل تیار کر سکیں جو ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ شفیق بھی ہو اور طاقتور ہونے کے باوجود منصف مزاج بھی۔ جب رسمی تعلیم کی مہارتیں اور غیر رسمی تربیت کی روحانی اقدار یکجا ہوں گی، تبھی وہ انسانِ کامل جنم لے گا جو دنیا میں عدل، محبت اور سکون کا سفیر بنے گا اور جس کے دم سے یہ کرہ ارض ایک بار پھر امن کا گہوارہ بن سکے گا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 51 شمارہ 6

جون 2026ء

ذی الحجہ / محرم 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		نظامِ تعلیم-مادیت پرستی سے روحانیت تک — مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	گناہوں سے نفرت — محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	8
فقہیات	آپ کے مسائل	موجودہ دور میں جمع بین الصلاتین کا حکم — مفتی محمد نظام الدین رضوی	10
تحقیقات	شواہد ونتائج	فرضِ عین علوم کا تحقیقی جائزہ — سلمٰی شاہین امجدی	12
نظریات	فکر امروز	دینی اور عصری تعلیم میں توازن کی اہمیت وضرورت — محمد فداء المصطفیٰ قادری	18
اسلامیات	شعاعیں	ہمارا عمل حسینی یا یزیدی؟ — مفتی جاوید اختر رضوی مصباحی	20
		مسلم معاشرے میں رسمِ ہلدی شرعی نقطۂ نظر — انیس الرحمن حنفی رضوی	23
شخصیات	انوار حیات	حافظ محمد حنیف قادری — ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری	25
سیاسیات	آئینۂ وطن	مغربی بنگال میں عوامی فلاحی اسکیمیں: ایک جائزہ — محمد حفیظ الدین	33
تاریخیات	یادِ ماضی	عالم بیگ-انقلاب 1857 کا ایک تحقیقی وتاریخی بیانیہ — مہتاب پیامی	35
طبیات	حفظانِ صحت	کیا کاسمیٹکس واقعی نقصان دہ ہیں؟ — ڈاکٹر ام فرح	47
بزمِ خواتین	چراغِ خانہ	نیک لڑکی — منقول	50
ادبیات	نقد ونظر	کتاب نصاب علم تخریج حدیث — مولانا ارشد علی عطاری مدنی	51
وفیات	سفرِ آخرت	علامہ مفتی امان الرب رضوی کا سانحہ ارتحال — مولانا عبد المبین نعمانی قادری	53
		چمنستان زہرا کا ایک اور پھول نذرِ خزاں ہو گیا — ڈاکٹر یعقوب اختر فیضی	53
مکتوبات	صدائے بازگشت	○ مفتی اختر علی واجد القادری	55
سرگرمیاں	عالمی خبریں	○ صومالیہ میں خوراک کا بحران ○ ہنٹا وائرس	56
	خیر وخبر	○ کرنل صوفیہ قریشی کے معاملے میں عدالت برہم	57
		○ ناندیڑ میں بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد	
منظومات	خیابانِ حرم	نعتیں. ○ سید محمد نور الحسن نور نوّابی ○ عادل رضا پوری	58

اداریــہ

نظامِ تعلیم

مادّہ پرستی سے روحانیت تک

مہتاب پیامی

انسان کا وجود ایک ایسا شاہکار ہے جسے خالقِ ارض و سما نے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا ہے۔ یہ اعزاز اس کی جسمانی ساخت یا مادی قوت کی بنا پر نہیں، بلکہ اس جبلتی اور فطری استعداد کے سبب ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مبدا (Origin) کو پہچاننے، اپنے وقار کی حفاظت کرنے اور روحانیت کی بلندیوں کو چھونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام کے نظامِ فکر میں تعلیم کا اصل مقصود ہی یہی ہے کہ وہ انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرائے اور اسے بندگی کی اس معراج پر فائز کر دے جہاں وہ اپنی ذات میں صفاتِ الٰہیہ کا پر تو تلاش کر سکے۔

تاہم، دورِ حاضر کے تعلیمی ڈھانچے پر نظر ڈالی جائے تو انتہائی مایوس کن صورت حال نظر آتی ہے۔ آج کا نظامِ تعلیم اپنی تمام تر سائنسی ترقیوں اور وسعتوں کے باوجود مادی بہبود اور سماجی برتری کے گرد سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس کا پورا زور انسان کو ایک کامیاب پرزہ بنانے پر تُلا ہے، لیکن اسے ایک کامل انسان بنانے سے قاصر ہے۔ مادی دوڑ اور بے ہنگم مسابقت نے انسان کو خود غرضی اور لایعنی مہم جوئی کی دلدل میں دھکیل دیا ہے، جس کے نتیجے میں دلوں سے سکون رخصت ہو گیا ہے اور معاشرے میں حرص و ہوس کا ایک ایسا طوفان بپا ہے جس نے زندگی کو ایک مستقل ذہنی تناؤ کی صورت دے دی ہے۔

جیسا کہ ہم نے لکھا، اسلامی تعلیمات کا پہلا اور بنیادی ہدف انسان کو اس کی اصل سے روشناس کرانا ہے۔ جب انسان اپنی اصل کو پہچان لیتا ہے، تو اسے ادراک ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور سونا نہیں بلکہ اپنے خالق کی بندگی اور اس کی صفات کا عکس اپنی ذات میں پیدا کرنا ہے۔ صوفیا کے ہاں مشہور ہے:

"جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔

یہی وہ علم ہے جو انسان کو خود پسندی سے نکال کر بندگی کی معراج پر کھڑا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ تعلیم کا مقصد انسان کو ان تمام سفلی جذبات سے پاک کرنا ہے جو اسے حیوانی سطح پر گرا دیتے ہیں۔ اسلام ایسی تعلیم چاہتا ہے جو انسان کو خود دار بنائے تاکہ وہ اپنے سوا کسی کے سامنے سر نہ جھکائے، اور ساتھ ہی اسے "احسنِ تقویم" (بہترین ساخت) کے سانچے میں ڈھال کر معاشرے کا ایک باوقار اور نفع بخش رکن بنائے۔ یہ ہدف انسان کو مادی دوڑ میں اندھا ہونے کے بجائے اخلاقی اقدار کا علم بردار بناتا ہے اور روحانی تعلیم کا مقصد انسان کے باطن کی صفائی ہے تاکہ اس کے دل میں ہر وقت اللہ کی یاد تازہ رہے۔ جب روح توانا ہوتی ہے، تو انسان مادیت کے بوجھ سے آزاد ہو کر دل کا سکون حاصل کرتا ہے، اور یہی چیز اسے معاشرے میں ظلم کے بجائے عدل اور نفرت کے بجائے محبت کا پیکر بنا دیتی ہے۔

دورِ حاضر کا نظامِ تعلیم بنیادی طور پر انسان کی سماجی ترقی اور مادی بہبود پر مرکوز ہے۔ اس فونٹ طرزِ فکر نے آج کے انسان کو انتہائی

Contact:9235647041, payamee@gmail.com

مسابقت پسند تو بنادیا ہے، مگر وہ ساتھ ہی ساتھ خود غرضی کا شکار ہو کر ایک لایعنی دوڑ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ دورِ جدید کی زندگی کی یہی دیوانہ وار رفتار دلوں اور ذہنوں میں مزید حرص و ہوس کو جنم دیتی ہے، جس کا حتمی نتیجہ ایک ذہنی تناؤ سے بھرپور زندگی کی صورت میں نکلتا ہے۔

لہٰذا، آج کے نظامِ تعلیم پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ نصابِ تعلیم میں روحانیت کے اساسی عنصر کو شامل کرنا ناگزیر ہے، تاکہ موجودہ نسل کے اندر اس ہمہ گیر الوہیت کا شعور بیدار ہو سکے۔ یہی وہ احساس ہے جو انسان کو اپنے رب کا شکر گزار بناتا ہے، اور یہی شکر گزاری زندگی میں حقیقی اطمینان و سکون کا باعث بنتی ہے، جب کہ ناشکری زندگی کو برباد کر دیتی ہے۔ قرآنِ حکیم ایسے شخص کی مذمت کرتا ہے جو اپنے رب کا احسان فراموش ہو اور وہ خود اس حقیقت پر گواہ ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ○ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ○ (سورۃ العادیات، آیت:۶،۷)

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور وہ خود بھی اس (بات) پر گواہ ہے۔

ہر حال میں شکر گزاری کا جذبہ، روحانی تربیت کی سمت میں پہلا قدم ہے۔ اس کا آغاز تبھی ہو سکتا ہے جب بچہ ابھی ماں کی گود میں ہو۔ ابتدائی برسوں میں ہی بچے کو یہ سکھایا جا سکتا ہے کہ ماں کی آغوش ایک شیر خوار کے لیے اللہ کا عظیم ترین تحفہ ہے۔ یہ سبق اس کی پوری زندگی پر اثر انداز ہو گا اور بچہ اللہ کے حضور سرِ تسلیم خم کرنے والا بنے گا۔

آج ہم مسابقت میں تو آگے ہیں لیکن اپنی ذات تک محدود ہو چکے ہیں۔ ہم ایک بظاہر مہذب دنیا میں جی رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے روزانہ لاتعداد غیر مہذب افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور خود ان افعال میں مبتلا بھی ہوتے ہیں۔ دنیا کے بیش تر حصوں میں آج بھی جنگل کا قانون نافذ ہے۔ جنگل میں شیر اپنی طاقت اور درندگی کی وجہ سے بادشاہ کہلاتا ہے، جس کی موجودگی میں دیگر تمام جانور خوفزدہ رہتے ہیں کیوں کہ وہ انھیں چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم کی بدولت یہ دنیا ایک ایسے جنگل کی طرح ہو گئی ہے جہاں بقا کا دارومدار صرف طاقت پر ہے۔ یہاں وہی شخص بڑا سمجھا جاتا ہے جو مقتدر، مضبوط اور زور آور ہو۔ آج کے عالمی اور سماجی منظر نامے میں اس کی مثالیں جا بجا نظر آتی ہے۔ "مہذب" دنیا میں بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کے بے شمار ادارے موجود ہیں، لیکن عملی طور پر وہی ہوتا ہے جو طاقتور ممالک چاہتے ہیں۔ جس طرح جنگل میں شیر اپنی بھوک مٹانے کے لیے کسی بھی ضابطے کا پابند نہیں ہوتا، اسی طرح طاقتور ممالک اپنے مادی مفادات اور وسائل (تیل، معدنیات) پر قبضے کے لیے کمزور ممالک پر جنگیں مسلط کر دیتے ہیں۔ وہاں معصوم انسانوں کا خون بہتا ہے، مگر "عالمی ضمیر" صرف اس لیے خاموش رہتا ہے کہ حملہ آور مقتدر اور زور آور ہے۔ اسی طرح معاشی اجارہ داری ہے، بڑی مقتدر کمپنیاں (Corporates) چھوٹے کاروباروں کو اس طرح ختم کر دیتی ہیں جیسے شیر چھوٹے جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ یہاں اخلاقیات اور ہمدردی کے بجائے صرف "منافع" اور "مارکیٹ شیئر" کی اہمیت ہے۔ ایک عام ملازم یا چھوٹا تاجر اس نظام کی چکی میں صرف اس لیے پستا ہے کہ وہ مادی طور پر اتنا "مضبوط" نہیں جتنا کہ وہ ادارے جو سرمایے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ "وی آئی پی پروٹوکول" کی بھی مثال دی جا سکتی ہے، یہ اصل میں وہی درندگی ہے جو بظاہر سوٹ بوٹ پہن کر مہذب بننے کی کوشش کرتی ہے، مگر اس کے اندر کا انسان "روحانیت" سے خالی ہونے کی بنا پر وحشی ہی رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تعلیم انسان کو خالق سے نہیں جوڑتی اور اسے صرف مخلوق پر غلبہ پانے کے طریقے سکھاتی ہے، تو وہ انسان کو "بڑا" تو ضرور بنا دیتی ہے مگر "اعلیٰ" نہیں بنا پاتی۔ تعلیمی نظام ان خرابیوں کا مداوا کر سکتا ہے۔

تعلیم کے دو اقسام ہیں: رسمی اور غیر رسمی۔ رسمی تعلیم بنیادی اسکولنگ پر مشتمل ہے۔ اسی رسمی تعلیم کی بنیاد پر آج کی دنیا میں لوگوں کو "تعلیم یافتہ" کہا جاتا ہے، یہی تعلیم معاشرے میں روزگار کے حصول کے لیے اسناد اور ہنر فراہم کرتی ہے۔ آج کی دنیا میں رسمی تعلیم کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے، مگر جو دوسری قسم ہے غیر رسمی، اس کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اس کی اہمیت بھی مسلم ہے۔

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی کا تصور نہیں کر سکتا جب تک اس کے شہری رسمی اور غیر رسمی، دونوں طرح سے تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ روحانی تعلیم بیک وقت رسمی اور غیر رسمی، دونوں طریقوں سے دی جا سکتی ہے۔

رسمی تعلیم ایک مقررہ وقت تک محدود ہوتی ہے جب کہ غیر رسمی تعلیم عمر بھر جاری رہتی ہے۔ ہر انسان اپنے روزمرہ کے تجربات سے اپنے رب کا شکر گزار اور اس کا فرماں بردار رہنا سیکھتا ہے۔ یہی عمل زندگی میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی شناخت اور معاشرے میں اپنے کردار کے تعین میں مدد دیتا ہے۔ دنیا کے بہت سے معاشرے رسمی سطح پر بہترین تعلیم کے باوجود ابھی تک منفی سوچ سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو عدل و انصاف اور رواداری کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا رویہ جابرانہ ہوتا ہے۔ ان کے عمل ان کے قول کی نفی کرتے ہیں اور ان کی عادات میں وحشت جھلکتی ہے۔ اس طرح یہ قوتیں عملی زندگی میں روحانیت کے فقدان کے باعث تباہی مچاتی رہتی ہیں۔ اس تباہی سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری ہے کہ روحانیت کو اسکول کے نصاب میں شامل کیا جائے اور والدین کو بھی اس نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ تعلیمی اداروں کی جانب سے والدین کو اس ضرورت پر لیکچر دیے جائیں کہ وہ اپنے گھروں میں ایک روحانی ماحول پروان چڑھائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ روحانیت کو پورے تعلیمی نظام کا جزوِ لاینفک ہونا چاہیے کیوں کہ تعلیم صرف ڈگریوں کے حصول، معاشی استحکام یا مادی برتری کا نام نہیں، بلکہ یہ انسان کے باطن کو جِلا بخشنے اور اسے بندگی کے مقامِ عالی سے روشناس کرانے کا عمل ہے۔ اگر نظامِ تعلیم انسان کو صرف "کمانے والی مشین" بنا دے اور اس کے دل کو شکر گزاری اور روحانیت کے نور سے محروم رکھے، تو ایسا معاشرہ مادی طور پر جتنا بھی ترقی یافتہ نظر آئے، اخلاقی اعتبار سے وہ ایک ایسے جنگل سے مختلف نہیں ہوتا جہاں صرف طاقت کا سکہ چلتا ہے۔ انسانیت کی بقا مادی مسابقت میں نہیں، بلکہ اس روحانی ہم آہنگی میں ہے جو خالق سے منسلک ہونے کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔

لہٰذا، وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اپنے تعلیمی ڈھانچے کی بنیادوں کو دوبارہ استوار کریں۔ ہمارا ماننا ہے کہ نصابِ تعلیم میں روحانیت کی شمولیت صرف اضافی انتخاب نہیں بلکہ ایک ناگزیر ضرورت ہے، تاکہ ہم ایسی نسل تیار کر سکیں جو ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ شفیق بھی ہو اور طاقتور ہونے کے باوجود منصف مزاج بھی۔ جب رسمی تعلیم کی مہارتیں اور غیر رسمی تربیت کی روحانی اقدار یکجا ہوں گی، تبھی وہ انسانِ کامل جنم لے گا جو دنیا میں عدل، محبت اور سکون کا سفیر بنے گا اور جس کے دم سے یہ کرۂ ارض ایک بار پھر امن کا گہوارہ بن سکے گا۔

روحانیت کے بغیر تعلیم ایسے جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسلیں آدمیت کے درجے سے نکل کر انسانیت اور اشرف المخلوقات کے اصل مقام کو پالیں، تو ہمیں گھر اور مدرسے، دونوں جگہوں پر اللہ کی یاد اور اس کی مخلوق سے محبت کا چراغ روشن کرنا ہوگا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں آج کے پُرآشوب اور بے ہنگم دور کے ذہنی تناؤ سے نکال کر ابدی اطمینان اور حقیقی کامیابی کی منزل تک لے جا سکتا ہے۔

*****

تفہیم قرآن

گناہوں سے نفرت

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ رب العزت سورۂ یوسف کی آیت نمبر: 23-24 میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝

یوسف جس گھر میں تھے اس گھر کی عورت نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنا چاہا، اور دروازے بند کرکے کہا کہ آجاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ، میرے مالک نے مجھے اچھی طرح رکھا، بے شک ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ اس عورت نے ارادہ کرلیا، اور اگر یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو وہ بھی ارداہ کرلیتے، ہم اسی طرح اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں ہے۔

ان آیات مبارکہ میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے طویل ترین قصے کے ایک اہم گوشے کو بیان کیا گیا ہے، ہم اس کی قدرے تفصیل کریں گے، پھر اس سے حاصل ہونے والے فوائد بیان کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں، اور ایک ایسے پیغمبر ہیں جو خود بھی نبی ہیں، جن کے والد بھی نبی ہیں، دادا بھی نبی ہیں اور پردادا بھی نبی ہیں، آپ بڑے خوب صورت اور نیک سیرت تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو ایسا حسین وجمیل بنایا تھا کہ جب زنان مصر نے آپ کو دیکھا تو انگلیاں کاٹ لیں، لیکن انھیں احساس تک نہیں ہوا، اور سب نے بیک زبان کہا:

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ۔

یہ بشر نہیں ہوسکتا، یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر نور نبوت روشن تھا، آپ کے اخلاق وآداب بھی خوب تھے، اسی لیے آپ کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، لیکن آپ کی یہ محبوبیت آپ کے بھائیوں کو راس نہیں آئی، تو انھوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آپ کی محبت ختم کرنے کے لیے ایک سازش رچی، ایک دن آپ کو گھمانے کے بہانے بن میں لے گئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کھاری کنویں میں پھینک دیا، بعض نامعلوم راہ گیروں نے آپ کو کنویں سے نکالا، اور بازار مصر میں فروخت کردیا، بازار مصر سے عزیز مصر نے آپ کو مہنگے دام پر خریدا، اور شاہی اعزاز کے ساتھ اپنے محل میں رکھا، جب آپ عنفوان شباب میں پہنچے تو عزیز مصر کی زوجہ آپ پر فریفتہ ہوگئی، ایک دن آپ کو تنہائی میں بلایا، محل کے سارے دروازے بند کردیے، آپ کو اپنی طرف راغب کیا، اور کہا کہ میرے قریب ہوجاؤ، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، میں اپنے محسن عزیز مصر کے ساتھ خیانت نہیں کرسکتا، بے شک ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔

واضح رہے کہ انبیاے کرام قبل نبوت اور بعد نبوت ارتکاب کبائر اور تعمد صغائر سے پاک ہوتے ہیں، اسی لیے ان سے گناہ کا تصور بھی محال ہے، لیکن آپ جس سے ہم کلام تھے وہ آپ کی پیغمبرانہ شان سے ناواقف تھی، اسی لیے اس نے آپ کو اپنی طرف راغب کرنا چاہا، اس سلسلے میں قرآن کریم نے جو تفصیل بیان کی اس کے مطابق عزیز مصر کی زوجہ کی طرف سے تین کوششیں ہوئیں، جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی تین باتیں کہیں۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اس عورت کا پہلا عمل تھا: رَاوَدَتْهُ۔ اس نے لبھایا، اور گناہ پر آمادہ کیا۔

دوسرا عمل تھا: غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ۔ یعنی خواہش نفس کی تکمیل کے لیے جس تنہائی کی ضرورت تھی اس کا مکمل بندوبست کرلیا۔

تیسرا عمل تھا: قَالَتْ هَيْتَ لَكَ۔ محض ترغیب یا محفوظ گوشے کے انتظام پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ زبان کھول کر کہا کہ قریب آجاؤ۔

ان سب کوششوں کا ظاہری تقاضا یہ تھا کہ گناہ کا دروازہ کھل جاتا، اور شیطانی تدبیر کامیاب ہوجاتی، لیکن اللہ رب العزت کی نصرت وحمایت اور حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت وکرامت کا کمال تھا کہ شیطان خائب وخاسر ہوا، گناہ کی تدبیر ناکام ہوئی، اور صبح قیامت تک آنے والے انسانوں کو یہ درس عزیمت ملا کہ بندہ اگر گناہ سے بچنا چاہے تو اللہ رب العزت رات کی تاریکی میں اور بند کمروں میں بھی اسے گناہ سے بچالیتا ہے، اسی لیے بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اندر گناہ سے بچنے کا جذبہ فراواں رکھے، اور اس سلسلے میں اللہ کی طرف رجوع کرتا رہے۔

پیش نظر واقعہ میں دیکھیں کہ جب زلیخا نے عملی، حفاظتی اور زبانی کوشش کرلی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی تین جوابات دیے۔

آپ کا پہلا جواب تھا: مَعَاذَ اللّٰهِ۔ اللہ کی پناہ۔ یعنی جب اس عورت نے لبھایا تو کہا کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، اور کسی بھی مومن بندے کے لیے روا نہیں کہ وہ مخلوق کی طاعت میں خالق کی نافرمانی کرے، اسی لیے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرکے اسے ناراض نہیں کرسکتا۔

آپ کا دوسرا جواب تھا: اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ یعنی جب اس عورت نے دروازے بند کرکے تنہائی کا ماحول بنادیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے مالک نے میرے ساتھ بڑی خیر خواہی کی ہے، اور میرا بھرپور خیال رکھا ہے، جس نے میرے ساتھ اتنی ہم دردی کی ہو اس کے ساتھ میری وفاداری کا تقاضا یہی ہے کہ میں اسے اذیت نہ دوں، اور جس طرح اس کے سامنے وفا شعار بن کر رہتا ہوں ویسے ہی پیٹھ پیچھے بھی رہوں، اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل کے ساتھ خیانت کرکے اسے تکلیف نہ پہنچاؤں۔

آپ کا تیسرا جواب تھا: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ بے شک ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ یعنی جب اس عورت نے کہا کہ قریب آجاؤ تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی عزت وکرامت کو پامال کرکے اپنے اوپر ظلم نہیں کرسکتا، کیوں کہ کوئی بھی ظالم کامیاب نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جس وقت یہ جوابات عطا فرمائے وہ بڑا ہی نازک وقت تھا، قرآن کریم کے مطابق اس خاتون کا جو حال تھا وہ یہ تھا کہ: وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ۔ یعنی اس نے گناہ کا عزم مصمم کرلیا تھا، قرآن نے اس عزم کو تاکیدی انداز میں بیان کیا کہ وہ عورت پورے طور پر آمادہ ہوچکی تھی، جس کا فوری اور لازمی اثر یہ ہوا کہ لگتا تھا کہ دوسرا فریق بھی تیار ہوجائے گا، لیکن تائید الٰہی اور نصرت غیبی نے بچالیا، یہ سب من جانب اللہ تھا، لیکن اس کا ایک ظاہری سبب بھی تھا، وہ یہ کہ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ وہ بڑا مخلص بندہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ اپنے ایمان وعمل میں مخلص ہوتا ہے تو ہر حال میں اپنے رب کو حاضر وناظر جانتا ہے، اور سفر وحضر، صحت ومرض، فقر وغنا، خلوت وجلوت میں گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کیوں کہ اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کا رب اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

واضح رہے کہ گناہ کرنے والے افراد دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن کے پاس گناہ کے اسباب نہیں ہوتے، اسی لیے وہ پورے شد ومد کے ساتھ گناہ نہیں کرسکتے۔ دوسرے وہ جن کے پاس گناہ کے اسباب ہوتے ہیں، اسی لیے وہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، اور پورے شد ومد کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی طرح گناہ سے بچنے والے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن کے لیے گناہ کے دروازے بند ہوتے ہیں تو وہ بآسانی گناہ سے بچ جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے پاس سوائے گناہ کے کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا، تو ان کے لیے گناہ سے بچنا دشوار ہوتا ہے۔

پیش نظر واقعہ پر غور کریں کہ خاتون کے پاس گناہ کے اسباب موجود تھے اسی لیے اس نے پورے زور وشور سے دعوت دی، جب کہ اس کے بالمقابل حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بچ نکلنے کے راستے مسدود تھے،..... (باقی ص:17 پر)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

موجودہ دور میں جمع بین الصلاتین کا حکم

سوال: کیا موجودہ دور میں جمع بین الصلاتین کی رخصت ہے؟ دنیا بھر کی جگہوں میں دوران سفر ٹرین/جہاز وغیرہ کی ٹائمنگ کے ساتھ نماز کے اوقات کو میچ کرنا خاصہ دشوار ہے اور بعض اوقات نماز کا ٹائم بھی کم ہی ملتا ہے اور اس پر وضو و طہارت کا حاصل ہونا مزید متعذر۔ کیا اس صورت میں جمع کی اجازت ہوگی؟ اگر ہاں تو جمع تقدیم کی جائے یا تاخیر؟

الجواب: (1) مذہب حنفی میں جمع بین الصلاتین کی رخصت نہیں، نہ جمع تقدیم کی، نہ جمع تاخیر کی، مطلقاً ممنوع ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے دلائل قویہ، کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے پانچوں نمازوں کے اوقات الگ الگ مقرر فرمادیے ہیں تو فرض ہے کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کی جائے اور جان بوجھ کر نماز قضا کرنا حرام و سخت گناہ ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○

(القرآن الحکیم، سورۃ النساء:4، الآیۃ:103)

ارشاد باری ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ (القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:2، الآیۃ:238)

اللہ عزوجل نے یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○

(القرآن الحکیم، سورۃ الماعون:107، الآیۃ:4،5)

لہذا نمازوں کے اوقات میں نمازوں کی محافظت لازم ہے۔ ہاں اگر کوئی انتہائی مجبوری کی صورت درپیش ہو تو جمع بین الصلاتین کی اجازت ہوگی مثلاً عوامی جگہوں پر نماز سے ممانعت۔ ایسے اضطرار کی صورت میں اگر ممکن ہو کہ نماز بجائے قضا مذہب امام شافعی پر ادا ہو سکے تو اس کی گنجائش ہونی چاہیے۔

اس کے سوا جو صورتیں سوال میں ذکر کی گئی ہیں وہ اضطرار کے باب سے نہیں، مسافر کو لمبا سفر کرنا ہو اور فلائٹ میں وضو کا انتظام نہ ہو تو اپنے ساتھ مٹی کا سفوف باریک کپڑے کے تھیلے میں رکھ لے اور وقت نماز میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ میں نے خود دس دس گھنٹے یا زیادہ کے کئی سفر فلائٹ سے کیے ہیں اور الحمدللہ باوضو وقت میں نماز ادا کی ہے، اس فلائٹ میں وضو کا اہتمام تھا اس لیے باوضو ہم ہر نماز وقت میں ادا کر سکے ورنہ تیمم کی رخصت اختیار کرنی پڑتی۔

سفر میں کچھ دقتیں تو پیش آتی ہیں مگر انھیں گوارا کر کے سفر بھی کیا جاتا ہے اور اس سے جڑے دوسرے کام بھی کیے جاتے ہیں تو فرائض کو بھی اسی طور پر ادا کرتے رہنا چاہیے، ہم ہر کام دقتیں سہ کر کر لیتے ہیں اور نماز کے لیے رخصت چاہتے ہیں، یہ نہیں چاہیے، جہاں تک ہو سکے نماز سفر، حضر ہر جگہ اس کے وقت میں ادا کی جائے۔

ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ واللہ تعالی اعلم۔

(2) یہ صحیح ہے کہ حالات سفر بدل گئے، تیز گام سواریوں کے ذریعے سفر نے بھی پابندی اوقات میں دشواری پیدا کی اس کا حل "جمع صوری" ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ظہر کے آخری وقت میں نماز ظہر پڑھی جائے اور اول وقت میں نماز عصر۔ تو ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہوگی مگر بظاہر صورت جمع کی ہوگی مذہب حنفی میں مسافر کو اس کی اجازت ہے۔

لیکن اگر "جمع صوری" سے بھی کام نہ چل سکے اور اس بات کا یقین یا صحیح اندیشہ ہو کہ اگلی نماز فوت ہو سکتی ہے جیسا کہ مسجد نہ ملے اور بر وقت وضو یا تیمم کا انتظام متعذر ہو تو بوجہ مجبوری مذہب صاحبین پر عمل کی اجازت ہوگی، اس کی صورت یہ ہے کہ ظہر مثل اول کے اخیر میں پڑھے اور عصر مذہب صاحبین پر مثل دوم کے شروع میں۔ یوں ہی مغرب شفق احمر کے غروب سے کچھ پہلے پڑھ لے اور اس کے غروب کے بعد عشاء پڑھ لے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے مذہب پر یہ نماز صحیح و درست ہے اور سفر میں وضو وغیرہ کی دقتوں کے پیش نظر اس حد تک عمل کی نرمی و رخصت بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات میں ہے:

عرض: اگر قبل دو مثل کے عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی؟

ارشاد: ہاں! صاحبین (یعنی امام اعظم کے دو جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہما) کے نزدیک ہو جائے گی۔

(غنية المستملي، شرح منية المصلي، الشرط الخامس، ص 227)

عرض: کیا اعادہ (یعنی نماز دوبارہ پڑھنا) واجب نہ ہوگا؟

ارشاد: فرض نہ ہوگا کہ اس قول پر بھی فتوی دیا گیا ہے اگر چہ صحیح و معتمد قول امام ہے۔

(ملفوظات اعلی حضرت ص: 85،84، مجلس المدینۃ العلمیۃ)

المحیط البرھانی میں ہے:

واختلفوا في آخر وقت الظهر، روى الحسن عن أبي حنيفة أن آخر وقت الظهر: أن يصير ظل كل شيء مثله سوى الظل الأصلي، فإذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وهو قول أبي يوسف ومحمد.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة ،الفصل الاول في اللمواقيت، ص:٢٧٣)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى. هكذا في شرح الوقاية وعند أبي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة. هكذا في القدوري وقولهما أوسع للناس وقول أبي حنيفة – رحمه الله – أحوط؛ لأن الأصل في باب الصلاة أن لا يثبت فيها ركن ولا شرط إلا بما فيه يقين. كذا في النهاية ناقلا عن الأسرار ومبسوط شيخ الإسلام.

ووقت العشاء والوتر من غروب الشفق إلى الصبح. كذا في الكافي.

(فتاویٰ هنديه،كتاب الصلاة،الفصل الثانی فی بيان فضيلة الاوقات، ج: 1، ص: 51)واللہ تعالیٰ اعلم۔

■■■

شواھد ونتائج

فرضِ عین علوم کا تحقیقی جائزہ

سلمیٰ شاھین امجدی کردار فاطمي

علم دین کا حصول ہر مسلمان پر لازم ہے مگر یہ سوال کہ کون سا علم فرضِ عین ہے اور کون سا فرضِ کفایہ اس کا جواب علمائے کرام نے بڑی تفصیل اور گہرائی سے دیا ہے۔ فتاوی رضویہ جلد ششدہ کتاب الحظر والاباحہ میں اس موضوع پر نہایت جامع بحث موجود ہے۔ اس کے علاوہ در مختار، رد المحتار، احیاء العلوم، اور دیگر معتبر کتب میں بھی یہ مسئلہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ مضمون انھی مصادر کی روشنی میں لکھ رہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (سورۃ المجادلہ:11)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمھیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو اللہ تمھارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ. (سورۃ فاطر:28)

اور آدمیوں اور جانوروں اور چارپایوں کے رنگ یوں ہی طرح طرح کے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ عزت والا بخشنے والا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو جتنا زیادہ جانتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:553/3)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. (سنن ابن ماجہ:224)

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

جس کے ساتھ اللہ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا فقہی فرق

فرضِ عین کی اصطلاحی تعریف:

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں فرمایا:

"فرض العين ما لا يتم أداء الفريضة إلا به كالعلم بصفة الصلاة والزكاة لمن وجبت عليه.

(احیاء علوم الدین: جلد 1، کتاب العلم:14)

فرضِ عین وہ ہے جس کے بے غیر فریضے کی ادائیگی مکمل نہیں ہوتی جیسے نماز کی صفت کا علم اور زکات کا علم اس شخص کے لیے جس پر واجب ہو۔

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں فرمایا:

فرض عين على كل مكلف بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم وعلم الزكاة لمن له نصاب والحج لمن وجب

علیه والبیوع علی التجار.(رد المحتار علی الدر المختار: جلد 1، مقدمہ 29 دار الفکر بیروت)

ہر مکلف پر فرضِ عین ہے کہ علم دین اور ہدایت سیکھنے کے بعد وضو، غسل، نماز اور روزے کا علم سیکھے، اگر نصاب ہو تو زکات کا علم سیکھے، اگر حج فرض ہو تو حج کا علم سیکھے اور تاجروں پر تجارت کے مسائل سیکھنا فرض ہیں۔

فرضِ کفایہ کی تعریف:

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

فرض الكفاية ما إذا قام به البعض سقط عن الباقين.(شرح المہذب: جلد 1، ص:24، مطبوعہ دار الفکر)

فرضِ کفایہ وہ ہے جس کے کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے باقی سب سے ساقط ہو جاتا ہے۔

امام ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق میں ایک اہم قاعدہ بیان کیا: كل من اشتغل بشيء يفرض عليه علمه وحكمه ليمتنع عن الحرام فيه. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق: 13/1 مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی)

جو شخص جس کام میں لگا ہو اس پر اس کام کا علم اور حکم جاننا فرض ہے تاکہ اس میں حرام سے بچ سکے۔

فرضِ عین علوم کی مکمل تفصیل:

سب سے پہلا فرضِ عین:

امام تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح العقائد النسفیہ میں فرمایا:

أول واجب على المكلف معرفة الله تعالى بصفاته الواجبة والمستحيلة والجائزة.

(شرح العقائد النسفیہ: 23، مطبوعہ مکتبہ الکلیات الازہریہ)

مکلف پر سب سے پہلا واجب اللہ تعالیٰ کی واجب، مستحیل اور جائز صفات کی معرفت ہے۔

علمِ عقائد کے فرضِ عین مسائل:

پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفاتِ واجبہ کا علم ضروری ہے جیسے وجود، قدم، بقا، وحدانیت۔ دوسری یہ کہ توحید کا صحیح عقیدہ سیکھنا ضروری ہے۔ تیسری یہ کہ رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی تفصیل جاننا ضروری ہے۔ چوتھی یہ کہ آخرت، فرشتوں، کتابوں اور تقدیر پر ایمان کی تفصیل جاننا ضروری ہے۔ پانچویں یہ کہ کفر اور شرک کی اقسام جاننا ضروری ہے تاکہ ان سے بچا جا سکے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

عقائدِ صحیحہ کا علم سب سے پہلے فرضِ عین ہے کیوں کہ اس کے بغیر کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا۔(فتاوی رضویہ: جلد 23، صفحہ 348، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام کاسانی رحمہ اللہ نے میں فرمایا:

علم الطهارة فرض عين على كل مكلف لأن الصلاة لا تصح إلا بها.(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: جلد 1، 3، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

طہارت کا علم ہر مکلف پر فرضِ عین ہے کیوں کہ نماز طہارت کے بے غیر صحیح نہیں ہوتی۔

وضو کے فرائض چار ہیں چہرہ دھونا، دونوں ہاتھ دھونا، سر کا مسح کرنا اور دونوں پاؤں دھونا، یہ جاننا ضروری ہے۔ وضو توڑنے والی چیزیں جیسے قضائے حاجت، بے ہوشی، نیند وغیرہ جاننا ضروری ہے۔ غسل کے فرائض تین ہیں کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا اور پورے بدن پر پانی بہانا۔ غسل واجب کرنے والی چیزیں تیمم کے احکام۔ پاک ناپاک کی پہچان یہ سب جاننا ضروری ہے۔

امام مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

الطهارة شرط لصحة الصلاة بالكتاب والسنة والإجماع.(الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی 12/1)

طہارت نماز کی صحت کے لیے شرط ہے کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا.(سورۃ النساء:103)

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسبِ دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔

نماز کے شرائط چھ ہیں: طہارت، وقت، ستر، استقبالِ قبلہ، نیت اور تکبیرِ تحریمہ، یہ جاننا ضروری ہے۔ نماز کے ارکان جیسے قیام، رکوع، سجود، قعدہ اخیرہ وغیرہ۔ نماز کے واجبات جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا، قعدہ اولیٰ وغیرہ۔ نماز کے مفسدات جیسے کھانا پینا، بات کرنا وغیرہ نماز کے مکروہات۔ قضا نماز کے احکام۔ اور سجدہ سہو کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا: یجب تعلم أحكام الصلاة من فرائضها وواجباتها ومفسداتها على كل مكلف.(ردالمحتار علی الدر المختار: جلد1/372 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہر مکلف پر نماز کے فرائض، واجبات اور مفسدات کا علم سیکھنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ(سورۃ البقرہ:183)

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمھیں پرہیز گاری ملے۔

روزے کی نیت اور اس کے شرعی حکم سے واقفیت ضروری ہے۔ روزہ توڑنے والی چیزیں، جیسے کھانا پینا اور جماع، واضح طور پر معلوم ہونی چاہئیں۔ روزے کی قضا اور کفارہ کے احکام سے آگاہی بھی لازم ہے۔ اسی طرح روزے کے مکروہات، جیسے بلا ضرورت کسی چیز کو چکھنا، سے پرہیز کا شعور ہونا چاہیے۔ نیز مریض اور مسافر کے لیے دی گئی رخصتوں اور ان کے احکام سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

يجب على كل مسلم بالغ عاقل تعلم أحكام الصوم قبل دخول رمضان.(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: 85/2، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہر بالغ عاقل مسلمان پر رمضان سے پہلے روزے کے احکام سیکھنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ.(سورۃ البقرہ:43)

اور نماز قائم رکھو اور زکات دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

نصاب کی مقدار، سونے میں ساڑھے سات تولہ اور چاندی میں ساڑھے باون تولہ، سے واقفیت ضروری ہے۔ زکات کی شرح، جو چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد ہے، واضح طور پر معلوم ہونی چاہیے۔ زکات کے مستحقین، جیسے فقیر، مسکین اور دیگر آٹھ مصارف، کی پہچان بھی ضروری ہے۔ زکات کے اموال، مثلاً سونا، چاندی، نقد رقم اور مالِ تجارت، کے احکام سے آگاہی لازم ہے۔ نیز سال پورا ہونے، یعنی حولانِ حول، کے حکم کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: "جس شخص کے پاس نصاب کے برابر مال ہو اس پر زکات کے مسائل سیکھنا فرضِ عین ہے۔"

(فتاوی رضویہ: جلد10، صفحہ92، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ.(سورۃ آل عمران:97)

اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ

سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

حج کے فرائض، جیسے احرام، وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت، سے واقفیت ضروری ہے۔ حج کے واجبات، مثلاً وقوفِ مزدلفہ، سعی اور رمی وغیرہ، کا علم بھی لازم ہے۔ احرام کی ممنوعات، جیسے خوشبو، سلا ہوا لباس اور شکار وغیرہ، سے پرہیز کے لیے ان کے احکام معلوم ہونا چاہیے۔ دم اور جزا کے مسائل سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح حج کی اقسام، یعنی افراد، قران اور تمتع، کی سمجھ رکھنا بھی لازم ہے۔

علمِ حلال و حرام:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الحَلالُ بَيِّنٌ، وَالحَرامُ بَيِّنٌ، وَبيْنَهُما مُشْتَبِهاتٌ لا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النّاسِ. (صحیح بخاری:52)

حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

حلال اور حرام کھانے پینے کی چیزوں کی پہچان ضروری ہے۔ حرام کمائی کی اقسام، جیسے سود، رشوت اور دھوکہ، سے آگاہی بھی لازم ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی اور بہتان کی حرمت اور ان کی مختلف صورتوں کا شعور ہونا چاہیے۔ ناپ تول میں کمی کے گناہ کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح حرام نظر اور حرام سماعت سے متعلق احکام سے واقفیت رکھنا بھی لازم ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: من لا يعرف الحرام كيف يتجنبه ومن لا يتجنب الحرام فهو آثم فإذن تعلم الحرام فريضة. (احیاء علوم الدین: جلد1، کتاب العلم:16)

جو شخص حرام کو نہ جانے وہ اس سے کیسے بچے گا، اور جو حرام سے نہ بچے وہ گناہ گار ہے، پس حرام کو جاننا فرض ہے۔

تبیین المحارم میں ہے: لا شك في فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الإخلاص؛ لأن صحة العمل موقوفة عليه وعلم الحلال والحرام وعلم الرياء؛ لأن العابد محروم من ثواب عمله بالرياء كما تأكل النار الحطب، وعلم البيع والشراء لمن يتعرض لهما وعلم الحسد والكبر والعجب. (فتاوی رضویہ 130/16)

پانچ فرائض کا علم، اخلاص کا علم، حلال و حرام کا علم، ریاکاری کا علم، بیع و شرا کا علم اور حسد تکبر اور عجب کا علم۔ یہ سب فرضِ عین ہیں اس میں کوئی شک نہیں۔

اخلاص کے معنی اور اس کی شرائط سے واقفیت ضروری ہے۔ ریاکاری کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے گناہ کا شعور ہونا چاہیے۔ حسد کی حقیقت اور اس سے بچنے کے طریقوں سے آگاہی بھی لازم ہے۔ تکبر اور غرور کی حقیقت اور ان کی برائی کو سمجھنا ضروری ہے۔ عُجب، یعنی اپنے آپ پر فخر کرنے کے گناہ، کا ادراک ہونا چاہیے۔ اسی طرح توکل اور تواضع کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنا بھی لازم ہے۔

علمِ معاملات پیشہ ور حضرات کے لیے:

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے رد المحتار میں فرمایا:

وكذا أهل الحرف وكل من اشتغل بشئ يفرض عليه علمه وحكمه ليمتنع عن الحرام فيه. (رد المحتار علی الدر المختار: جلد1، مقدمہ:29)

اسی طرح ہر پیشے والے پر اور جو شخص جس کام میں لگا ہو اس پر اس کے علم اور حکم کو جاننا فرض ہے تاکہ اس میں حرام سے بچ سکے۔ بیع کے ارکان و شرائط سے واقفیت ضروری ہے۔ سود کی اقسام، جیسے ربا الفضل اور ربا النسیئہ، کا علم بھی لازم ہے۔ بیعِ فاسد اور بیعِ باطل کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ دھوکہ دہی اور تدلیس کی حرمت کا شعور ہونا چاہیے۔ احتکار، یعنی ذخیرہ اندوزی کی حرمت، سے آگاہی بھی لازم ہے۔ اسی طرح ناپ تول میں کمی کے گناہ کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

يجب على من أراد النكاح أن يتعلم أحكامه

من شروطه وأركانه ومحرماته.(بدائع الصنائع 230/2)

جو شخص نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اس پر نکاح کے شرائط، ارکان اور محرمات کا سیکھنا واجب ہے۔

نکاح کے ارکان، جیسے ایجاب، قبول اور گواہ، سے واقفیت ضروری ہے۔ محرمات، یعنی وہ رشتے جن سے نکاح حرام ہے، کی پہچان بھی لازم ہے۔ مہر کے احکام سے آگاہی اور حقوقِ زوجین کو سمجھنا بھی لازم ہے۔ طلاق کی اقسام، جیسے طلاقِ رجعی، بائن اور مغلظہ، کا شعور ہونا اور اسی طرح عدت کے احکام سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: کسان پر زمین کی بٹائی اور ٹھیکے کے احکام جاننا فرضِ عین ہے اور اجیر پر اجارے کے احکام جاننا فرضِ عین ہے۔(فتاوی رضویہ: جلد16، صفحہ130، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

علامہ مناوی رحمہ اللہ نے التیسیر شرح الجامع الصغیر میں حدیث طلب العلم فريضة کی شرح میں فرمایا:

أراد به مالا مندوحة له عن تعلمه كمعرفة رسله وكيفية الصلاة ونحوها فإن تعلمه فرض عين.

(التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: جلد2: صفحہ115)

اس حدیث سے مراد وہ علم ہے جس سے کوئی چارہ نہیں جیسے رسولوں کی معرفت اور نماز کا طریقہ اور اس جیسی چیزیں ان کا سیکھنا فرضِ عین ہے۔ امام حصکفی رحمہ اللہ نے در مختار میں فرمایا:

اعلم أن تعلم العلم فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه.(الدر المختار: مقدمہ 6/1)

جان لو کہ علم سیکھنا فرضِ عین ہے اور وہ اتنا ہے جتنا انسان کو اپنے دین کی ضرورت ہے۔

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں اس کی شرح میں فرمایا: فرض على كل مكلف بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم وعلم الزكاة لمن له نصاب، والحج لمن وجب عليه، والبيوع على التجار ليحترزوا عن الشبهات في سائر المعاملات، وكذا أهل الحرف وكل من اشتغل بشئ يفرض عليه علمه وحكمه ليمتنع عن الحرام فيه.(رد المحتار علی الدر المختار 29/1)

ہر مکلف پر، علمِ دین اور ہدایت حاصل کرنے کے بعد، وضو، غسل، نماز اور روزے کا علم سیکھنا فرض ہے اور جس کے پاس نصاب ہو اس پر زکات کے مسائل سیکھنا لازم ہے، اور جس پر حج فرض ہو اس پر حج کے احکام سیکھنا ضروری ہے۔ نیز تاجروں پر بیوع (خرید و فروخت) کے مسائل سیکھنا لازم ہے تاکہ وہ معاملات میں شبہات سے بچ سکیں۔ اسی طرح ہر پیشہ ور شخص اور جو کسی کام میں مشغول ہو، اس پر اس کام کے احکام سیکھنا فرض ہے تاکہ وہ اس میں حرام سے بچ سکے۔

فرضِ عین علم نہ سیکھنے کا گناہ اور اس کی سنگینی:

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا:

من ترك تعلم ما لزمه من العلم فهو عاصٍ آثم وله عقوبة في الآخرة.(احیاء علوم الدین 17/1)

جو شخص اپنے اوپر لازم علم سیکھنا چھوڑ دے وہ نافرمان اور گناہ گار ہے اور آخرت میں اس کی سزا ہوگی۔

عمل بغیر علم کے مردود ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.(صحیح مسلم: 1718)

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا: یعنی جو عمل شریعت کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں اور علم کے بے غیر عمل شریعت کے خلاف ہو سکتا ہے اس لیے پہلے علم ضروری ہے۔(شرح مسلم للنووی 12/16)

آج کے دور کے نئے فرض عین مسائل:

ڈیجیٹل معاملات: فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جو

اصول قاعدہ ہے کہ کل من اشتغل بشیء یفرض علیه علمه یہ ہر دور پر لاگو ہوتا ہے۔ اس لیے آج کے دور میں آن لائن تجارت کے احکام جاننا، سوشل میڈیا کے جائز و ناجائز استعمال کا علم، آن لائن سود کی حرمت جاننا اور ڈیجیٹل جھوٹ اور دھوکے کی حرمت جاننا یہ سب فرضِ عین کے حکم میں آتے ہیں۔

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا:

یجب علی المرأة تعلم أحکام الحیض والنفاس والاستحاضة وأحکام الطهارة والصلاة والصوم.

(ردالمحتار 298/1)

عورت پر حیض، نفاس، استحاضہ اور طہارت، نماز اور روزے کے احکام سیکھنا واجب ہے۔

عورتوں کے خصوصی فرضِ عین مسائل میں حیض و نفاس کے احکام سے واقفیت ضروری ہے۔ پردے کے فرائض کا شعور ہونا لازم ہے۔ شوہر کے حقوق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ بچوں کی اسلامی تربیت کے طریقوں سے آگاہی ہونی چاہیے۔ اسی طرح محرم و نامحرم کی پہچان رکھنا بھی لازم ہے۔

ایک جامع دعوتِ فکر:

علمِ دین کا حصول اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ فتاوی رضویہ، درمختار، ردالمحتار، احیاء العلوم، تبیین المحارم اور دیگر معتبر کتبِ فقہ نے مل کر یہ بتادیا ہے کہ فرضِ عین علم وہ ہے جو انسان کو اپنی روزمرہ زندگی میں چاہیے۔

آج ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ لوگ دنیاوی تعلیم پر ہزاروں روپے اور سال لگاتے ہیں مگر دینی فرائض کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فرضِ عین علوم سیکھنے، ان پر عمل کرنے اور اپنے گھروں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

■■■

(ص:9 کا بقیہ)... پھر بھی آپ سلامت باکرامت رہے، یہ آپ کی عفت و پاک دامنی، اللہ کی رضا جوئی، گناہ سے بیزاری، اور آزمائش میں ثابت قدمی کی ایک قابل تقلید مثال ہے۔

گناہ پر قدرت کے باوجود گناہ سے بچنا بہت عظیم عبادت ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، چناں چہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سات افراد عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے، ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا جسے کسی خوب صورت اور صاحب منصب عورت نے گناہ دی تو اس نے یہ کہہ کر اس کی پیش کش ٹھکرادی کہ میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں۔

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قدیم زمانے میں تین افراد سفر پر نکلے، راستے میں سخت بارش ہوئی، تو وہ ایک غار میں روپوش ہوگئے، تھوڑی دیر بعد چٹان پھسلی، اور غار کا منھ بند ہو گیا، سب نے اپنے اپنے عمل کا وسیلہ دے کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی، جس سے چٹان کا منھ کھل گیا، وہ صحیح وسالم باہر نکل آئے، لیکن ان تینوں میں ایک بندہ وہ بھی تھا جس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، جس سے میں بے پناہ محبت کرتا تھا، ایک دن وہ میرے پاس کچھ پیسوں کے لیے آئی تو میں نے کہا کہ تم مجھے خلوت کا موقع دو تو میں تمھیں تمھاری مطلوبہ رقم دے دوں گا، اس نے چار و ناچار میری بات مان لی، لیکن میں جب اس کے قریب گیا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو، اور اس کی کسی باندی کی حرمت پامال نہ کرو تو اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لیے گناہ کا ارادہ ترک کردیا، اور اس سے پیسے بھی نہیں لیے، اے اللہ! اگر میں نے تیری خشیت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو چٹان ہٹادے، تو اللہ نے دعا سن لی، اور چٹان ہٹادی۔

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ گناہ پر قدرت کے باوجود گناہ سے دور و نفور رہنا ایک ایسا عمل ہے جس سے دنیا میں بلائیں ٹلتی ہیں، اور دعائیں قبول ہوتی ہے، اور جو بندہ باوجود قدرت کے گناہ سے اجتناب کرتا ہے وہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں رہے گا، اسی لیے ضروری ہے کہ ہر حال میں گناہ سے اجتناب کریں، اور اس سلسلے میں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ ■■■

فکرامروز

دینی اور عصری تعلیم میں توازن کی اہمیت وضرورت

محمد فداء المصطفیٰ قادری ، پی جی اسکالر: دارالہدی اسلامک یونیورسٹی، کیرالا

یہ دنیا رنگ و بو کا ایک ایسا دلکش گلشن ہے جہاں ہر شے اپنی جداگانہ حقیقت اور گہری معنویت کی حامل ہے۔ انسان جب آنکھ کھولتا ہے تو اسے ایک ایسی کائنات کا سامنا ہوتا ہے جو بیک وقت حیرت، آزمائش اور حکمت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر دل نورِ ہدایت سے منور نہ ہو تو علم کی تمام تر چمک بھی اندھیرے کا احساس دلاتی ہے۔ آج کا مسلمان ایک نہایت نازک موڑ پر کھڑا ہے؛ ایک جانب جدید تعلیم کی وہ چکاچوند ہے جو نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے، اور دوسری جانب دینی علوم کی وہ تابندگی ہے جو دل کو سکون اور روح کو قرار بخشتی ہے۔ اگر ان دونوں میں توازن قائم نہ رہے تو انسان یا تو مادّیت کا اسیر بن جاتا ہے یا زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے، اور یوں ''نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم'' کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین اور دنیا ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ دین انسان کو اس کے مقصدِ حیات سے روشناس کراتا ہے، اسے اخلاق، صبر، شکر اور خوفِ خدا کی دولت سے مالا مال کرتا ہے، جب کہ عصری تعلیم اسے شعور، فہم اور تدبیر عطا کرتی ہے تاکہ وہ اس دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ ہمارے اسلاف نے ہمیشہ اسی توازن کو اپنایا؛ ان کے دل اللہ کی یاد سے سرشار ہوتے تھے اور ان کے دماغ زمانے کی حکمتوں سے روشن۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جہاں عبادت گزار تھے وہیں بہترین مفکر، سائنس دان اور رہنما بھی تھے۔ آج ہمیں بھی اسی روشن راہ کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ایسا علم دیں جو ان کے دلوں کو نرم کرے اور ذہنوں کو جِلا بخشے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو سینے سے لگاتے ہوئے جدید علوم میں مہارت حاصل کرنا ہی وہ راستہ ہے جو ہمیں فکری انتشار سے نکال کر ایک متوازن، باوقار اور کامیاب زندگی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ یہی توازن دراصل ایک مسلمان کی پہچان اور اس کی اصل کامیابی ہے۔ یہی فکر ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم تعلیم کے ایسے نظام پر غور کریں جو اس مقصد کو حقیقت کا روپ دے سکے۔

جس طرح تمہید میں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ دین اور دنیا ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں، اسی طرح ایک ایسا تعلیمی نظام ناگزیر ہے جو دینی بصیرت اور عصری شعور کو ایک لڑی میں پرو دے۔ محض کتابی علم یا صرف دنیاوی مہارت انسان کو مکمل نہیں بناتی؛ بلکہ ایک ایسا جامع نظام درکار ہے جو دل کو نورِ ہدایت سے منور کرے اور دماغ کو فہم و فراست سے آراستہ کرے۔ ''علم وہی ہے جو عمل میں ڈھل جائے'' یہی اصول اس متوازن تعلیم کی بنیاد ہے، اور یہی وہ عملی راستہ ہے جو ہمارے تعلیمی خواب کو ایک زندہ حقیقت میں بدل سکتا ہے۔

دینی بصیرت انسان کے اندر خوفِ خدا، اخلاقی پاکیزگی اور مقصدِ حیات کا شعور پیدا کرتی ہے، جب کہ عصری شعور اسے زمانے کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ جب یہ دونوں صفات ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جائیں تو وہ فرد نہ صرف اپنی ذات کے لیے مفید ہوتا ہے بلکہ معاشرے کے لیے بھی ایک روشن مثال بن جاتا ہے۔ ایسا نظامِ تعلیم ہی دراصل ایک ''ہمہ جہت شخصیت'' کی تعمیر کرتا ہے، جو عبادت میں بھی کامل ہو اور معاملات میں بھی ماہر۔

اس توازن کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی ادارے اپنے نصاب اور تدریسی نظام میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ ایک طرف قرآن و حدیث، فقہ اور اخلاقیات کی تعلیم دی جائے تو دوسری طرف سائنس، ٹیکنالوجی اور سماجی علوم کو بھی مناسب

رابطہ نمبر: 9037099731

اہمیت دی جائے۔ اساتذہ بھی ایسے ہوں جو صرف علم دینے والے نہ ہوں بلکہ کردار سازی کرنے والے ہوں، تاکہ طلبہ کے اندر دین کی محبت اور دنیا کی سمجھ بیک وقت پروان چڑھے۔ یوں جب دینی بصیرت اور عصری شعور ایک ساتھ پروان چڑھتے ہیں تو ایک ایسا باوقار، متوازن اور کامیاب انسان سامنے آتا ہے جو نہ صرف اپنے ایمان کی حفاظت کرتا ہے بلکہ دنیا میں بھی عزت و وقار کے ساتھ اپنی پہچان بناتا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو ایک مضبوط امت اور روشن مستقبل کی ضمانت دیتا ہے۔

اسی مناسبت سے ایک بات عرض کردوں کہ میری پہچان، میری شان، اور میرے علم کا اصل سرچشمہ دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی ہے۔ یہ وہ عظیم درسگاہ جو مسلکِ اہلِ سنت والجماعت، بالخصوص مسلکِ اعلیٰ حضرت کی روشن تعلیمات کی امین ہے، اور فقہِ شافعی کے اصولوں پر قائم ایک تابندہ علمی مینار ہے۔ یہ ادارہ محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک ایسا "علمی گلشن" ہے جہاں دینی و عصری علوم کا حسین سنگم بہتا ہے۔ یہاں ہزاروں طلبہ ایک ہی وقت میں علم کی شمع سے اپنے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ ایک طرف ریاضی، سوشل سائنس، جغرافیہ اور سیاسیات جیسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، تو دوسری جانب تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور تصوف کے نور سے بھی طلبہ کو منور کیا جاتا ہے۔ گویا یہاں "ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سائنس" کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس جامعہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والا طالب علم نہ صرف دین کا فہم رکھتا ہے بلکہ دنیا کے تقاضوں کو بھی بخوبی سمجھتا ہے۔ وہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے حقوق کی بات ڈنکے کی چوٹ پر کہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وہ قوت، یہی وہ بصیرت ہے جو دارالہدیٰ اپنے طلبہ کو عطا کرتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغین ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہو، علم و عمل کا پیکر بنے، اور ایک باوقار مستقبل کی طرف قدم بڑھائے، تو دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی آپ کے لیے ایک بہترین انتخاب ہے۔ یہاں تعلیم نہیں، بلکہ ایک مکمل زندگی کا شعور دیا جاتا ہے۔

آپ ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ انسان کی شخصیت محض معلومات کے انبار سے نہیں بنتی، بلکہ اس کے باطن کی آبیاری اور فکر کی بالیدگی سے پروان چڑھتی ہے۔ اگر دل بے چین ہو اور روح بے قرار، تو علم کی کثرت بھی سکون نہیں دے سکتی۔ اسی لیے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ نئی نسل کی تعمیر کے لیے روحانی تربیت اور فکری ترقی کا ایک حسین سنگم ناگزیر ہے۔ "جیسا بیج بوؤ گے ویسا ہی پھل کاٹو گے"۔ اگر ابتدا ہی میں بچوں کے اندر پاکیزہ اقدار اور بلند خیالات کو راسخ کر دیا جائے تو ان کی زندگی خود بخود سنور جاتی ہے۔ روحانی تربیت کا مقصد صرف عبادات کی ادائیگی نہیں بلکہ انسان کے اندر اخلاص، تحمل، عاجزی اور حسنِ اخلاق کو پیدا کرنا ہے۔ جب ایک طالب علم کے دل میں یہ اوصاف جاگزیں ہو جاتے ہیں تو وہ زندگی کے نشیب و فراز میں بھی ثابت قدم رہتا ہے۔ دوسری جانب فکری ترقی اس کے اندر سوال کرنے، غور و فکر کرنے اور حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ ایسا ذہن اندھی تقلید کا شکار نہیں ہوتا بلکہ دلیل اور بصیرت کی روشنی میں اپنا راستہ متعیّن کرتا ہے۔

نسلِ نو کی متوازن شخصیت سازی کے لیے ضروری ہے کہ انھیں ایسے ماحول میں پروان چڑھایا جائے جہاں مثبت سوچ، تخلیقی صلاحیت اور اعلیٰ اخلاق کو فروغ ملے۔ گھروں میں والدین کی تربیت، اساتذہ کی رہنمائی اور معاشرے کا مجموعی رویہ اس عمل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ بچوں کو صرف نصیحتوں سے نہیں بلکہ عملی نمونوں سے سکھایا جائے، کیونکہ "عمل، قول سے زیادہ اثر رکھتا ہے"۔ جب روحانیت کی لطافت اور فکر کی گہرائی ایک ساتھ جمع ہو جاتی ہے تو ایک ایسا فرد وجود میں آتا ہے جو نہ صرف اپنے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے باعثِ رحمت بن جاتا ہے۔ یہی متوازن شخصیت دراصل اس قابل ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے عملی میدان میں اپنے علم اور کردار کا حقیقی مظاہرہ کر سکے۔

یہ بھی جاننا نہایت ضروری ہے کہ زندگی کا اصل امتحان محض علم کے حصول میں نہیں..... (باقی ص:32پر)

شعاعیں

ہمارا عمل حسینی یا یزیدی؟

مفتی جاوید اختر رضوی مصباحی

ماہ محرم الحرام میں بہت سے مسلمانوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی عقیدت میں جانے ان جانے میں کچھ ایسے ناجائز کاموں کی عادت بنالی ہے جن کی شرعًا اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عموماً دلوں پر خوش نما بدعتوں کی محبت کا غلبہ ہونے کے سبب حالات اگرچہ مایوس کن ہوگئے ہیں مگر آج بھی بہت سے ایسے دین کا درد رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو جذبات میں آکر ہنگامہ خیزی کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے غور و فکر کرتے ہیں، کسی چیز کے جائز و ناجائز قرار دینے میں اپنی طبیعت کو معیار بنانے کے بجائے، شریعت مطہرہ کی کسوٹی پر اسے رکھتے ہیں اور جو شریعت میں ناجائز بتایا گیا ہے اس سے بچنے کی حد درجہ کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم چند شرعی باتیں مستند حوالوں کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ بالخصوص اس سلسلے میں ہم نے مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارشادات عالیہ کو نقل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ حق و ناحق خوب واضح ہوجائے۔

تعزیہ سے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ:

مطلق تعزیہ داری یعنی روضۂ امام حسین رضی اللہ عنہ کا صحیح نقشہ بناکر تبرکًا مکان و دکان میں رکھنا شرعًا کوئی حرج نہیں بلکہ جائز ہے۔ مگر آج جاہلوں نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کرکے صدہا خرفات پیدا کرلیے ہیں جس کی بنا پر ایک جائز چیز ناجائز ہوگئی، کیوں کہ اولاً تو نفس تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر سال نئی تراش و خراش، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر نگر نگر ڈگر ڈگر گھمانا، جھک جھک کر اس تعزیہ کو سلام کرنا، مشغولِ طواف ہونا، سجدہ کرنا، عورتوں کا تعزیہ دیکھنے نکلنا اور پھر ان مایۂ بدعات کو امام حسین کی جلوہ گاہ سمجھ کر فاتحہ پڑھنا، اس کے ارد گرد تعظیمًا ننگے پاؤں چلنا، حاجت روا جاننا اور اخیر میں پانی میں غرق کردینا، یا زمین میں دفن کردینا، یہ سب ناجائز و گناہ ہیں۔ اگرچہ شرک نہیں۔ (ملخصًا فتاوی رضویہ، ج:24/9، ص: 35/512، مکتبہ: رضا اکیڈمی بمبئی۔ فقیہ ملت دہلی)

تعزیہ سے متعلق حضور صدر الشریعہ کا قول:

تعزیہ داری کے سلسلے میں کہیں تخت و ضریح بنائے جاتے ہیں اور کہیں علم و شدے نکالے جاتے ہیں۔ ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلوں کی طرح جھگڑتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار، پھول اور ناریل چڑھاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں۔ تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسرے پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں۔ سبز والی کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر اور سرخ والی کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر باشبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں فاتحہ دلواتے ہیں، یہ تصور کرکے کہ امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہۂ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں۔ پھر یہ تعزیہ دسویں محرم کو مصنوعی کربلا میں لے جاکر دفن کرتے ہیں، گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے، پھر تیجہ، دسواں چالیسواں کیا جاتا ہے، کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں۔ حضرت قاسم کی مہندی نکالتے ہیں۔ اسی تعزیہ داری کے سلسلے میں کوئی پیک بنتا ہے جس کے کمر میں گھنگھرو بندھے ہوتے ہیں (جو ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے) تعزیہ نکالنے کے وقت بعض سنی حضرات بھی مرثیہ پڑھتے ہیں جس میں غلط واقعات نظم کیے جاتے ہیں: یہ سب از روے شرع

صدر مفتی: دارالافتا امام احمد رضا (سی-این-کے-روڈ، ٹریپلیکین چنئی، تمل ناڈ)

ناجائز وگناہ ہیں۔(ملخصا، بہار شریعت، ج:4، ص:3)

اعلیٰ حضرت کا قول غافلوں کے لیے:

جو شخص مروجہ تعزیہ داری (دور حاضر میں جس طریقے پر تعزیہ داری ہوتی ہے) کو ناجائز بتائے اور اس بنا پر لوگ اسے کافر یا مرتد قرار دیں تو یہ سخت گناہ کبیرہ ہے اور ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ تجدید اسلام ونکاح کریں۔(المختص فتاوی رضویہ، ج:24، ص:501)

تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟

تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا حرام وگناہ ہے، چاہے نیچے کی منزل میں رکھیں یا اوپر کی، مسجد کشادہ ہو یا تنگ کہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "مساجد تو ذکر الٰہی اور نماز و تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔" (الصحیح مسلم، جلد:1، باب وجوب غسل البول)

تعزیہ کے چڑھاوے کا حکم:

فتاوی رضویہ (ج:24، ص:524) میں ہے: امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز تبرک ہے، اسے کھانی چاہیے لیکن تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہوتا مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز شرعی کی وقعت بڑھانی اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے، لہٰذا نہ کھائی جائے۔

نیز اس میں ہے: فاتحہ جائز ہے روٹی، شیرنی، شربت وغیرہ کی، چاہے جس پر ہو مگر تعزیہ پر رکھ کر یا اس کے سامنے فاتحہ دلانا جہالت ہے اور اس پر چڑھانے کو سبب تبرک سمجھنا حماقت ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔(بلکہ گھروں میں فاتحہ دلوانی چاہیے)

جو خرافات عشرۂ محرم میں کی جاتی ہیں ان کی منت ماننا کیسا ہے؟

بہت سے لوگ تعزیہ رکھنے، اس میں پیسے خرچ کرنے یا پیک بننے کی منت مانتے ہیں کہ پانچ دس برس تک ایسا کریں گے، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ اگر ان منتوں کو پورا نہ کیا جائے تو کوئی آفت آجائے گی یا بچہ مرجائے گا وغیرہ۔(یاد رکھیں!) یہ سب لغو خیالات ہیں، حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی منت ماننی ہی نہیں چاہیے اور اگر مان لی تو پوری نہ کرے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: معصیت کی منت نہیں ہوتی۔(فتاوی رضویہ، ج:24، ص:493/494)

اسی طرح طواف تعزیہ کی منت ماننا جائز نہیں بلکہ منت روزہ رکھنے، نماز، قرآن، درود، کلمہ شریف پڑھنے یا فقیروں کو کھانا، کپڑا یا پیسہ دینے کی ماننی چاہیے کہ یہ شریعت میں پسندیدہ اور محبوب امر ہے۔

10 ویں محرم کو سرخ، سبز اور سیاہ کپڑوں کا حکم:

عشرۂ محرم میں تین رنگ کے لباس اہل بدعت پہنتے ہیں، ان تینوں سے بچنا چاہیے۔ (۱) سرخ یا گلابی کہ یہ خوارج دشمنان اہل بیت اخبار مسرت کے لیے پہنتے ہیں۔ (۲) سیاہ: اس کو روافض پہنتے ہیں۔ (۳) سبز یا دھانی: یہ تعزیہ داروں کا شیوہ ہے۔ ہاں! اگر کپڑا مختلف رنگ کا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(ملخص فتاوی رضویہ، ج:24، ص:497)

10 ویں محرم میں روٹی نہ پکانا، جھاڑو نہ دینا، کپڑا نہ اتارنا کیسا ہے؟

بعض گھروں میں 10 ویں محرم کو نہ جھاڑو دیے جاتے ہیں، نہ چولہے جلائے جاتے ہیں، نہ کپڑے بدلے جاتے ہیں اور غسل کے سلسلے میں بھی طرح طرح کے من گڑھت رسوم کہ فلاں فلاں وقت نہیں نہانا چاہیے- اور شروع کے دس دنوں تک نئے کپڑے نہیں پہنے جاتے، اسی طرح ان ایام میں مچھلی، کبوتر اور مسور کی دال بھی نہیں پکائے جاتے۔ یہ سب جاہلانہ خیالات ہیں، جن کا اعتقاد رکھنا از روے شرع درست نہیں بلکہ جہالت وحماقت ہے۔(ملخصاً فتاوی رضویہ، ج:24، ص:488)

محرم اور صفر میں شادی کرنا کیسا ہے؟

بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم الحرام اور صفر المظفر کے مہینے میں شادی بیاہ کرنا، نئے کپڑے پہننا، نیا کام شروع کرنا منع ہے، یہ بالکل غلط اور خام خیالی ہے بلکہ یہ سارے امور کسی بھی مہینے میں کر سکتے ہیں۔(ملخصاً فتاوی رضویہ، ج:24، ص:488)

یہی حکم لڑکی رخصت کرنے کا بھی ہے۔

نور نامہ و شہادت نامہ کتابوں کا حکم:

آج کل شیعوں کی طرح سنی مسلمانوں کے گھروں میں بھی ان دونوں کتابوں کے پڑھنے کا رواج ہے، ان کتابوں میں اکثر باتیں من گڑھت قصوں، جھوٹی کہانیوں اور باطل روایات پر مشتمل ہے اس لیے ان کتابوں کا پڑھنا پڑھانا، سننا سنانا ناجائز و حرام ہے۔ (ملخصًا فتاوی رضویہ، ج:24، ص:9، ص:514/525)

ڈھول تاشہ بجانا یزیدیوں کا طریقہ ہے:

کچھ بچے اور نوجوان یکم محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک گلی گلی ڈھول باجے بڑے شوق سے بجاتے ہیں منع کرنے پر کہتے ہیں: "ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت اور یاد میں بجاتے ہیں"۔ یہ بالکل ناجائز و حرام ہے۔ (ملخصا فتاوی رضویہ، ج9، ص:189) نیز یہ یزیدیوں کا طریقہ ہے، جب یزید کو معلوم ہوا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر (مبارک) دمشق پہنچنے والا ہے تو تمام یزیدی ڈھول باجے بجا کر خوشیاں منانے لگے۔ (خطبات محرم، ص:437)

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ، یزیدیوں کی طرح ڈھول باجے بجا کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیزار کریں گے یا توبہ کر کے اللہ کی رضا حاصل کریں گے۔

مسلمانوں کی بے راہ روی:

یہ ایک شرم ناک حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے کے اکثر نوجوان بھائی ماتم دیکھنے بڑے شوق سے جاتے ہیں اور گھر کی عورتیں بھی شانہ بہ شانہ شامل رہتی ہیں۔ جس کی اجازت شریعت اسلامیہ قطعًا نہیں دیتی۔ اس ماتم میں غلط باتوں پر مشتمل مرثیے پڑھے جاتے ہیں، اہل بیت کی بے حرمتی و بے صبری اور جزع و فزع کا ذکر ہوتا ہے۔

اسی طرح تعزیہ دیکھنے کے لیے گھر کے چھوٹے بڑے بلکہ عورتیں تک تعزیہ گاہ کا چکر لگاتی ہیں جہاں پر نوجوان طرح طرح کے بیہودہ کھیل اور تماشے دکھاتے ہیں، کوئی بندر کی صورت اپناتا ہے، کوئی درخت کی صورت تو کوئی شیطانوں کی طرح آوازیں نکالتا ہے، میلے لگے ہوتے ہیں، ہنسی مذاق اور مرد و زن کا اختلاط ہوتا ہے۔ اسی بے راہ روی میں ساری رات گزر جاتی ہے۔ یہ لہو و لعب ناجائز و گناہ ہیں۔ ہاں! لاٹھی و تلوار بازی وغیرہ جنگی آلات اور ساز و سامان کی مشق اپنے بچوں کو کرانا اور ایسے موقع پر ان کا مقابلہ و مظاہرہ کرانا برا نہیں، بلکہ اچھا کام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: "یہ (تعزیہ رائجہ، ڈھول، پیک بننا، تعزیہ گاہ کا گشت کرنا وغیرہ) ہمارے باپ داداؤں سے چلا آرہا ہے اور آج کے مولانا لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب ناجائز ہے"۔

پیارے مسلمانو! ہو سکتا ہے آپ کے آبا و اجداد نے لا علمی کی بنا پر ایسا کیا ہو مگر یہ بات مسلم ہے کہ ان سب سے ہرگز امام حسین رضی اللہ عنہ خوش نہیں۔ آپ خود ہی غور کریں کہ انھوں نے احیاے دین و سنت کے لیے اس دن اپنی جان نچھاور کر دی اور ہم نے اسی دن کو لغو و خرافات کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ افسوس کہ محبتِ اہل بیت کا دعوی اور ایسی بے جا حرکتیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا۔ (پ:7، رکوع:14)

ان لوگوں سے دور رہو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیوی زندگی نے انھیں دھوکا دے دیا ہے۔

در حقیقت حسینی ہونے کی صحیح علامت یہ ہے کہ جس شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے جان قربان کر دی، اس کو سینے سے لگا لیا جائے نہ کہ اس کے خلاف عمل کر کے یزیدی منصوبوں کو کامیاب بنایا جائے۔ لہذا حسینیوں کا طریقۂ عمل یہ ہونا چاہیے کہ اس رات شہدائے کربلا کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے قرآن کی تلاوت و دیگر ذکر و اذکار کیے جائیں، محفل منعقد کر کے ان کے حالات و فضائل بیان کیے جائیں۔ ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونۂ حیات بنایا جائے اور بچوں کو حسینی تعلیم و تربیت دی جائے۔ یہی امام حسین کے سچے عاشق ہونے کی پہچان ہے۔ ◘○◘○◘

شعاعیں

مسلم معاشرے میں رسمِ ہلدی- شرعی نقطۂ نظر

انیس الرحمن حنفی رضوی بہرائچ شریف ۔ صدر المدرسین جامعہ رضویہ زینت العلوم سرس کھیڑا ضلع مرادآباد

مسلم معاشرہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ایسا پاکیزہ اور متوازن نظامِ حیات کا حامل ہے جس کی بنیاد وحیِ الٰہی، تعلیماتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلافِ امت کے معتدل و مہذب طرزِ عمل پر قائم ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر گوشے کو واضح اصولوں اور ضابطوں کے ساتھ مربوط کیا ہے، یہاں تک کہ خوشی اور مسرت کے مواقع بھی ایک خاص وقار، حیا اور اعتدال کے ساتھ منانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ نکاح، جو انسانی معاشرت کی اساس اور نسلِ انسانی کے تسلسل کا ذریعہ ہے، اسلام میں ایک مقدس عبادت اور باعثِ برکت عمل قرار دیا گیا ہے، جسے سادگی، آسانی اور پاکیزگی کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ وقت کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرے میں ایسی متعدّد غیر اسلامی رسوم داخل ہو چکی ہیں جنھوں نے نکاح جیسے بابرکت عمل کو بوجھل، مہنگا اور خرافات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ انھی رسومات میں ایک نمایاں اور تیزی سے فروغ پانے والی رسم "ہلدی" کی ہے، جو بظاہر ایک خوشی کی تقریب معلوم ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی شرعی، اخلاقی اور تہذیبی قباحتیں سموئے ہوئے ہے۔

رسمِ ہلدی کا تاریخی پس منظر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ دراصل برصغیر کی ہندو تہذیب سے ماخوذ ایک روایت ہے، جس میں شادی سے قبل دلہا اور دلہن کو ہلدی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو نہ صرف جسمانی خوبصورتی بلکہ بعض توہماتی تصورات کے تحت نحوست کو دور کرنے اور برکت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جب مسلمان اس خطے میں آباد ہوئے اور مقامی تہذیبوں کے ساتھ ان کا میل جول بڑھا تو رفتہ رفتہ یہ رسم بھی ان کے معاشرتی ڈھانچے میں داخل ہو گئی۔ ابتدا میں شاید یہ محض ایک ثقافتی اثر تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس نے ایک مستقل اور لازمی تقریب کی حیثیت اختیار کر لی، یہاں تک کہ اب بعض حلقوں میں اسے شادی کا ناگزیر جز سمجھا جانے لگا ہے۔

موجودہ دور میں اس رسم کی صورت حال نہایت تشویش ناک ہو چکی ہے۔ ہلدی کی تقریب اب محض ہلدی لگانے تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ ایک مکمل "ایونٹ" بن چکی ہے جس میں گانے بجانے، رقص و سرود، مخلوط محافل، بے پردگی، فیشن کی نمائش اور فضول خرچی کا کھلا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دلہا اور دلہن کو مجمع کے سامنے بٹھا کر ان پر ہلدی ملنا، مخصوص گیت گانا، قہقہوں اور غیر سنجیدہ حرکات کے ذریعے اس مقدس موقع کو ایک تماشا بنا دینا، یہ سب ایسے مظاہر ہیں جو کسی بھی مہذب اور دینی شعور رکھنے والے معاشرے کے لیے باعثِ تشویش ہونے چاہئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے محض ایک غیر ضروری رسم پر خرچ کر دینا اسراف کی بدترین مثال ہے۔

اگر اس رسم کا شرعی زاویے سے جائزہ لیا جائے تو کئی اہم اصول سامنے آتے ہیں جو اس کی حیثیت کو واضح کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے "تشبہ بالکفار" کا مسئلہ ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم اقوام کی مذہبی اور مخصوص تہذیبی علامات کی نقالی سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے" اس بات کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ چوں کہ رسمِ ہلدی اپنی اصل میں غیر مسلم

aneesurrahmnanfi@gmail.com

تہذیب سے ماخوذ ہے اور ایک مخصوص مذہبی و ثقافتی پس منظر رکھتی ہے، اس لیے اسے بطور رسم اپنانا شرعاً محلِ نظر ہے، خصوصاً جب اسے شعائر کی طرح اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔

دوسرا اہم پہلو بدعت اور غیر ثابت امور کا ہے۔ اسلام نے عبادات اور معاشرتی اعمال دونوں میں حدود مقرر کی ہیں۔ نکاح کے حوالے سے قرآن و سنت میں جو طریقہ کار بیان ہوا ہے، اس میں سادگی اور بے تکلفی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کسی ایسی رسم کو جو شریعت میں نہ ہو، شادی کا لازمی حصہ سمجھ لینا یا اسے دینی یا سماجی حیثیت دینا بدعت کے دائرے میں آتا ہے۔ رسمِ ہلدی اگرچہ بظاہر عبادت نہیں، مگر جب اسے ایک مستقل اور ضروری رسم کے طور پر اپنایا جائے تو یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہو جاتی ہے۔

تیسرا پہلو ان قباحتوں کا ہے جو اس رسم کے ساتھ جڑ چکی ہیں۔ بے پردگی، نامحرموں کا اختلاط، موسیقی اور لغویات، یہ سب ایسے امور ہیں جن کی حرمت مسلم ہے۔ جب ایک رسم ان تمام منکرات کا مجموعہ بن جائے تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسلام نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، جب کہ ایسی تقریبات حیا کے اس تصور کو مجروح کرتی ہیں اور معاشرے میں بے راہ روی کو فروغ دیتی ہیں۔

چوتھا اہم مسئلہ اسراف اور فضول خرچی کا ہے۔ قرآن کریم نے فضول خرچی کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ آج کے دور میں ہلدی کی تقریبات پر جس طرح پیسہ لٹایا جاتا ہے، وہ نہ صرف دینی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے شادی ایک مشکل اور مہنگا مرحلہ بن جاتی ہے، جس کے نتیجے میں غریب اور متوسط طبقہ شدید دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔

معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے بھی اس رسم کے اثرات نہایت منفی ہیں۔ یہ شادی کو سادگی اور برکت کے بجائے نمود و نمائش اور مقابلہ بازی کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تقریبات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ریاکاری اور دکھاوے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔ مزید برآں، نوجوان نسل ان رسومات کو دیکھ کر یہی سمجھتی ہے کہ شادی کا اصل مقصد یہی تفریح اور ہنگامہ آرائی ہے، جس سے نکاح کی اصل روح پسِ پشت چلی جاتی ہے۔

ان حالات میں اصلاح کی ضرورت انتہائی شدید ہے۔ سب سے پہلے یہ ذمہ داری اہلِ علم، علما اور خطبا پر عائد ہوتی ہے کہ وہ حکمت اور بصیرت کے ساتھ ان مسائل کو عوام کے سامنے پیش کریں اور صحیح اسلامی تعلیمات کو اجاگر کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین اور سرپرستوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا کہ وہ اپنی اولاد کی شادیوں میں سادگی کو اختیار کریں اور غیر اسلامی رسومات سے اجتناب کریں۔ معاشرے میں ایسے نمونے پیش کیے جائیں جن میں نکاح سنت کے مطابق سادہ اور بابرکت انداز میں انجام پائے، تاکہ دوسروں کے لیے بھی ترغیب کا باعث بنیں۔

میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز کا استعمال بھی مثبت انداز میں کیا جا سکتا ہے، جہاں سادہ شادیوں کو فروغ دیا جائے اور ان خرافات کے نقصانات کو اجاگر کیا جائے۔ اگر معاشرے کے بااثر افراد خود اس سلسلے میں پہل کریں تو یقیناً اس کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔

رسمِ ہلدی بظاہر ایک معمولی اور خوشی کی علامت سمجھی جانے والی تقریب ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک ایسی غیر اسلامی روایت ہے جو مسلم معاشرے میں غیر مسلم تہذیب کی نقالی، بدعت، اسراف، بے حیائی اور دیگر متعدّد قباحتوں کو فروغ دے رہی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نکاح کو سادہ، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کی تعلیم دیتی ہے، جب کہ یہ رسم اس کے برعکس ایک بوجھل اور غیر ضروری اضافہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی دینی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ایسی تمام رسومات سے اجتناب کریں جو قرآن و سنت کے مزاج کے خلاف ہوں، اور نکاح کو اس کی اصل روح کے مطابق سادگی اور وقار کے ساتھ انجام دیں۔ یہی طرزِ عمل دنیا و آخرت کی کامیابی اور ایک صحت مند معاشرے کی ضمانت ہے۔ ■■■

انوار حیات

سلسلۂ تیغیہ کا اولین قلمی محافظ

حافظ محمد حنیف قادری

ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری۔ استاد گورنمنٹ انٹر کالج، ضلع اسکول چھپرا (بہار)

برصغیر ہند و پاک کے سلاسل میں سلسلہ تیغیہ آبادانیہ محتاج تعارف نہیں۔ اپنی غیر معمولی خدمات کے سبب سلسلہ تیغیہ نے بین الاقوامی سطح پر شناخت قائم کی ۔بانی سلسلہ شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ نے اپنی کاوشوں اور روحانی فیضان سے پورے عالم کو بلا تفریق مذہب وملت خوب خوب فیض یاب فرمایا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سرکار سرکانھی کی خدمت میں رہنے والا جس قدر ظرف رکھتا تھا اسے اتنا ہی سرکار سرکانھی کا فیض ملا۔ حضرت شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ نے کسی کو عالم ربانی بنایا تو کسی کو مرشد کامل کسی کو درس و تدریس کا بادشاہ بنایا تو کسی کو تحقیق وتنقید کا علمبردار۔ یہ ساری خوبیاں جس ایک شخصیت کے اندر جمع ہوگئیں، اس شخصیت کا نام حافظ شاہ محمد حنیف قادری ہے۔ مذکورہ بالا خصوصیات کا ہی نتیجہ ہے کہ حضرت شاہ حافظ محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کو حضرت سرکار سرکار سرکانھی کا پہلا خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ واضح رہے کہ سرکار سرکانھی کے خلفا میں دو اور حنیف نام کی شخصیت شامل ہے ان میں سے ایک کا تعلق سلطان پور اتر پردیش سے ہے تو دوسرے کا تعلق بنگلہ دیش سے ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ بانی سلسلہ شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ کے پہلے اور آخری دونوں خلیفہ حضرت حنیف ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس شخصیت کے خلفا میں تین تین حنیف ہوں اس سلسلہ سے "دین حنیف" جسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قرار دیا ہے، اس صراط مستقیم والے مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت کا کیا کہنا ؟ بہر حال حافظ شاہ محمد حنیف قادری جیسی جامع اور کثیر الجہات علمی وروحانی شخصیت کی حیات و خدمات کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ایک مختصر مضمون میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حضرت نے اپنے مرشد طریقت حضرت سرکار سرکانھی سے جو سیکھا اسے اپنے عقیدت مندوں میں لٹا دیا۔ درس و تدریس کے حوالے سے ایک شاگرد علامہ جید القادری ہی کافی ہیں ۔ حضرت کی شخصیت کی انفرادیت یہ ہے کہ سلسلہ تیغیہ کا ارتقا جہاں اپنے روحانی فیض سے کیا وہیں اپنے قلم سے بھی اگر حضرت کو سلسلہ تیغیہ کا قلمی محافظ اور ترجمان قرار دیا جائے، تو زیادہ برابر مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت شاہ محمد حنیف قادری پر شائع کتاب "سوانح حیات سرتاج اولیا" مؤلفہ مولانا محمد مسعود رضا قادری کے مطابق ان کی پیدائش 23 مارچ 1873ء کو بھن گانواں پرگنہ ترسٹہ ڈاک خانہ راج کھنڈ تھانہ کٹرہ ضلع مظفر پور بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام ستاب علی ہے۔ آپ دو بھائی تھے بڑے بھائی محمد اقبال احمد محض ستائیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی تھی، اس وقت ہی آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش و پرداخت آپ کی والدہ نے کی جب کہ کفالت کا فریضہ آپ کے عم محترم کتاب علی نور اللہ مرقدہ نے ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا حافظ محمد فضل کریم علیہ الرحمہ کے ذریعے ہوئی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ حمیدیہ شکر تالاب، بنارس تشریف لے گئے وہاں حفظ و قرآت کے استاد حافظ و قاری الحاج محمد جمن نور اللہ مرقدہ کی درس گاہ سے وابستہ ہو گئے اور وہیں سے حفظ قرآن مجید مکمل کیا بعدہ درس

موبائل نمبر: 9852234311 mdwaliullahquadari@gmail.com

نظامی کی تکمیل وہیں سے ہوئی۔ بنارس میں دوران طالب علمی قدوۃ السالکین حضرت مولانا حافظ حاجی شاہ عبدالحمید پانی پتی ثم بنارسی سے بیعت ہوئے۔ آپ کا عقد مسنون استاد محترم حضرت فضل کریم کی چچازاد ہمشیرہ بی بی کلثوم سے ہوا۔ جن سے میمون النساء، شمس النساء اور قمر النساء اولاد اناث ہوئیں جب کہ اکلوتے صاحب زادے حضرت مولانا غلام فرید تیغی کی ولادت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں خوب خوب برکتیں عطا کیں اور ایک سو چودہ سال کی عمر میں 27 ذی الحجہ مطابق 23 اگست 1987ء بروز اتوار مالک حقیقی سے جا ملے۔ جنازے کی نماز آپ کے جانشین حضرت مولانا غلام فرید فاضل مظہر اسلام بریلی شریف نے پڑھائی اور بعد نماز مغرب اسی روز اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔ بھن گانواں مظفر پور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ سرکار سرکانھی قدس سرہ سے حافظ محمد حنیف قادری کی قربت اور عقیدت کیسے پیدا ہوئی، اس کی تفصیلات خود صاحب معاملہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ محمد حنیف قادری اپنی اولیں مؤلفہ کتاب انتباہ الطالبین المعروف بہ رموز حقیقت میں رقم طراز ہیں:

"احقر العباد خادم الحفاظ ناچیز فقیر محمد حنیف غفرلہ المولی القدیر سنی حنفی قادری حمیدی فریدی متوطن بھن گانواں پرگنہ ترسٹہ علاقہ تھانہ کٹرہ ڈاک خانہ راج کھنڈ ضلع مظفر پور، برادران طریقت و طالبان حقیقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اوائل میں سے فقیر بہنگام طالب علمی بمقام بنارس حضور پر نور سیدی و سندی مرشدی و مولائی زبدہ العارفین قدوہ السالکین حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ شاہ عبدالحمید صاحب پانی پتی ثم البنارسی رضی اللہ عنہ سے بیعت طریقت حاصل کیا مگر اتفاق وقت ادھر تعلقات خانہ داری نے پھر نیاز حاصل کرنے کا موقع نہ دیا اور ادھر بماہ شوال 1339ھ میں آپ نے وصال فرمایا-1344ھ میں جب کہ یہ فقیر بصیغہ معلم گیری مقام محمد پور جین مقیم تھا کہ سیدی و مرشدی ہادی راہ شریعت و طریقت واقف رموز معرفت و حقیقت جناب شاہ محمد تیغ علی صاحب قادری آبادانی مجیبی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ آبادانیہ سرکانھی شریف ضلع مظفر پور مرید خاص حضرت مولانا شاہ محمد سمیع رحمۃ اللہ علیہ مونگیری خلیفہ پنجم مقتدائے کاملین پیشوائے عارفین شیخ المشائخ شیخ پیر دستگیر حضرت حافظ شاہ فرید الدین جون پوری ثم الآروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر مکان حافظ نور محمد صاحب رونق افروز ہوئے بوقت ملاقات آپ نے فقیر سے نام و مقام دریافت کیے اور تصوف کی چند باتیں اپنے زبان فیض ترجمان سے بیان فرمائی اور اپنے جائے قیام پر تشریف لے گئے بوقت شام بعد نماز عشا فقیر کھانے پینے سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ دل پر یہ بات القا ہوئی کہ آپ سے تعلیم طریقت حاصل کروں یہ خیال آنا تھا کہ سارے جسم پر لرزہ آ گیا اور از سر تا پا پسینہ میں غرق ہو گیا ہر چند طبیعت کو سنبھالا لیکن اور زیادہ بے چینی بڑھتی گئی ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اسی بے چینی میں رات کے بارہ بج گئے آخر طبیعت نے حاضر خدمت ہونے پر مجبور کیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ مراقب بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک رکابی میں روٹی اور گوشت سامنے رکھا ہوا ہے جب آپ نے سر اوپر اٹھایا اور آپ کی نظر اس فقیر پر پڑی تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آؤ بیٹھو میں تمھارے انتظار ہی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ رکابی فقیر کی طرف بڑھا کر فرمایا کہ اس کو کھالو۔ حسب ارشاد فقیر کھانے لگا اور آپ کچھ باتیں راہ طریقت کی فرمانے لگے قریب ڈیڑھ بجے آپ نے فرمایا کہ رات زیادہ آگئی اب جاؤ سو رہو۔ فقیر نے اپنی خواہش ظاہر کی اور تعلیم طریقت کا طالب ہوا آپ خاموش رہے اور مراقب ہو گئے تھوڑی دیر بعد آپ نے سر اوپر اٹھا کر فرمایا تم تو بیعت ہو چکے ہو فقیر نے اپنی تمام سرگزشت بیان کی اور آپ پھر مراقب ہوئے پھر کچھ باتیں دریافت کیں علی التواتر کئی بار مراقب ہوئے اور تعلیم سلسلہ قادریہ آبادانیہ فریدیہ کی فرمائی اس وقت جو کچھ کیفیت ظہور میں آئی اس کا اظہار کرنا فقیر نا مناسب سمجھتا ہے"۔ (رموز حقیقت صفحہ 4 اور 5)

پیش نظر اقتباس ہر چند طویل ہو گیا ہے لیکن بہت سی تاریخی اطلاعات فراہم ہو جا رہی ہیں۔ اس اقتباس کے مطالعہ سے یہ

بات معلوم ہوئی کہ حافظ محمد حنیف قادری مسلسل چوتیس سالوں تک سرکار سرکانھی سے اکتساب فیض حاصل کیا نیز یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سرکار سرکانھی نے حضرت حافظ حنیف قادری خلیفہ اول ہونے کا مکمل حق رکھتے ہیں سرکار سرکانھی نے بہت ہی غور وفکر کے بعد ہی عمر کے آخری ایام میں ہی خلافت تقسیم فرمائی جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے سے زیادہ عمر والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا پہلا خلیفہ منتخب فرمایا اسی طرح سرکار سرکانھی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے سے ظاہراً عمر رسیدہ حافظ حنیف تیغی کو خلیفہ اول منتخب فرمایا یہ دیگر بات ہے کہ حضرت حافظ حنیف قادری نے اول خلیفہ ہونے کا حق ادا بھی کیا۔ جب تک طاقت رہی سرکار سرکانھی کے قائم کردہ مدرسہ علیمیہ انوار العلوم سرکانھی شریف میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد سرکار سرکانھی کے عقیدت مندوں کی خاطر دربار سرکار سرکانھی میں ہی زندگی گزاری اور اپنے عقیدت مندوں کو خوب خوب فیض یاب فرماتے رہے۔ جس طرح سرکار سرکانھی نے اپنے جانشین حضرت شاہ ابراہیم علیہ الرحمہ کے خلف اصغر علامہ علی احمد جید القادری کو بریلی شریف حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف درس نظامی کی تکمیل کے لیے بھیجا اسی طرح حافظ محمد حنیف قادری نے اپنے اکلوتے صاحب زادے علامہ مولانا غلام فرید کو بھی بارگاہِ مفتی اعظم ہند میں بھیجا اور موصوف دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف سے فارغ ہوئے۔ رموز حقیقت کے مطالعے کے دوران اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اس کتاب میں دیگر صوفیائے کرام کے ساتھ ساتھ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور اعلیٰ حضرت کا نام بہت ہی عقیدت و احترام سے لیا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے صاحب زادے کی پیدائش سے قبل ہی لکھی ہے۔ کتاب کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ "الحمد للہ کہ بتاریخ ۱۴؍ محرم الحرام بروز سہ شنبہ 1350ھ مطابق 2 جون 1931ء رسالہ ہذا بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا"۔ یہ دیگر بات ہے کہ اس کی اشاعت پانچ سال بعد ہوئی جیسا کہ حضرت مولانا سید نیاز احمد اسد فردوسی رجھتی بہاری کے قطعہ تاریخ سے پتا چلتا ہے اسد فردوسی نے تیرہ اشعار کے قطعہ تاریخ میں کتاب کی اہمیت اور افادیت پر خوب روشنی ڈالی ہے اور جس شعر سے تاریخ اخذ کیا ہے، وہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

فکر تھی تاریخ کی ہاتف نے چپکے سے کہا
لکھ اسد ہے "مخزن کل انتباہ الطالبین" (1355ہجری)

واضح رہے کہ کتاب کے اخیر میں حضرت مولانا حافظ شاہ محمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ فریدیہ میر گنج آرہ شاہ آباد، حضرت مولانا مولوی محمد شمس الحق قادری مجیبی امام و خطیب جامع مسجد چنگیل مغربی بنگال، حضرت مولانا شاہ نیاز احمد اسد فردوسی اور مولانا محمد عالم دربھنگوی مدرس مدرسہ قومیہ انصاریہ ہر پور کشی ضلع چمپارن کی تحریری تقریظات و تاثرات شامل ہیں، جب کہ حضور پر نور مولانا الحاج سید شاہ محی الدین قادری سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواروی شریف کے قولی تاثرات بھی شامل ہیں۔ خاک سار کے پیش نظر 1985 کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ مولانا شاہ محمد علی براہیمی سجادہ نشین خانقاہ آبادانیہ سرکانھی شریف کے مطابق یہ چوتھا ایڈیشن ہے۔ ایک سو ساٹھ صفحات کی کتاب شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کا بہترین سنگم ہے اور یہ کتاب سرکار سرکانھی کی خواہش پر لکھی گئی ہے جیسا کہ مولف کتاب رقم طراز ہیں:

"اکثر اوقات بوقت حصول نیاز آپ (سرکار سرکانھی) فن تصوف کی کتابیں مثلاً کشف المکتوم شرح مثنوی مولانا روم و کیمیائے سعادت و سفینۃ الاولیا وغیرہ نکال کر فقیر سے پڑھواتے موقع مناسب پر فقیر سے عبارتوں کے مطالب دریافت فرماتے اگر فقیر سے حل ہو سکتا بیان کرتا ورنہ آپ خود اپنی زبان مبارک سے بیان فرماتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی کتاب تصوف کی تصنیف ہوتی کہ جس میں سلسلہ والوں کو اپنے سلسلہ آبادانیہ کے بزرگوں کے مسلک سے واقفیت حاصل کرائی جاتی تو بہت اچھا ہوتا اگرچہ اس سلسلہ کی اعلیٰ اعلیٰ تصانیف آئینہ مبارک، مفید الطالبین، آداب

السالکین وغیرہ وغیرہ موجود ہیں لیکن ان میں طریقت کے مسائل نہایت مختصر ہیں اور جو ہیں وہ عام فہم نہیں کہ جس کو عوام سمجھ سکیں اور فقیر کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم مستند کتابوں سے اخذ کر کے اس طرح انجام دو کہ طالب کو ادراک کما ینبغی ہو اور اپنے سلسلہ والوں کو اپنے بزرگان کے سلسلہ کے مسلک سے واقفیت ہو جائے فقیر نے ہر چند عذر پیش کیے کہ مجھ میں نہ اتنی صلاحیت ہے، نہ اس قدر معلومات۔ فقیر کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے مکرر ارشاد ہوا کہ انسان خالصا لوجہہ اللہ، اللہ پر بھروسا کر کے کسی کام کو شروع کرے اور وہ انجام کو نہ پہنچے کیا معنی فقیر نے مکرر عذر پیش کرنے کو خلاف ادب و تہذیب سمجھا اور محض خوشنودی اللہ و رسول کے لیے سر تسلیم خم کیا، واقعی یہ کچھ فضل خداوندی اور بزرگان سلسلہ کی عنایت و توجہ ہی کا باعث تھا کہ اس بار عظیم کو فقیر نے اپنے سر پر لیا اور حکم مرشد فرض عین سمجھ کر بہ امید وسیلہ نجات لکھنا شروع کیا اور نام رسالہ ہذا کا انتباہ الطالبین المعروف بہ رموز حقیقت رکھا"۔(صفحہ5،6)

مذکورہ بالا اقتباس کے مطالعہ سے سرکار سرکانھی کے ذوقِ مطالعہ بھی اظہر من الشمس ہو جا رہا ہے نیز تصوف کے سلسلے میں حضرت کی صلاحیت ولیاقت کا بھی پتا چل جا رہا ہے۔ سرکار سرکانھی کے سوالات پر حافظ محمد حنیف قادری جیسے عالم شریعت کا خاموش ہو جانا یہ بھی بتا دیتا ہے کہ علم لدنی یا علم وہبی، کسبی علم یا علم ظاہر پر کیسے تفوق رکھتا ہے؟ یہ اقتباس ان لوگوں کے منہ پر زبردست طمانچہ رسید کر دیتا ہے جو سرکار سرکانھی کے علم پر سوال کھڑا کرتے ہیں۔

بہر حال حافظ محمد حنیف قادری کی کتاب رموز حقیقت پانچ باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول میں سات فصلیں، باب دوم میں پانچ فصلیں، باب سوم میں چھے فصلیں، باب چہارم میں سات اور باب پنجم میں تین فصلیں ہیں۔ کتاب کا تفصیلی مطالعہ تحریر کا ایک مکمل موضوع اور عنوان ہے جس کی یہاں بالکل گنجائش نہیں ہے اس لیے کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"آٹھواں فریب یہ ہے کہ بعض فقیر نماز نہیں پڑھتے اگر کسی نے کہا کہ شاہ صاحب آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو جواب دیتے ہیں کہ بابا ہم فقیر ہیں ہم کو اتنی مہلت کہاں ملتی ہے کہ نماز پڑھیں، ہم تو ہر وقت حضوری میں رہتے ہیں اور اس شعر کو دلیل میں پیش کرتے ہیں

نماز عابداں سجدہ سجودی ٭ نماز عاشقاں ترک وجودی

حالانکہ ان کو اس شعر کے معنوں کی بھی خبر نہیں معنی شعر کے یہ ہیں کہ عاشقوں کی نماز میں وہ حضوری ہوتی ہے کہ اپنے جان کی بھی خبر نہیں رہتی قرۃ عینی فی الصلوۃ جس کا اشارہ ہے اور عابدوں کی نماز میں سجدہ وارکان صلات خوب ادا ہوتے ہیں جس کا حکم ہے ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك یعنی عبادت کرے تو اللہ کی اس طرح پر کہ گویا تو دیکھتا ہے اس کو پھر اگر تو نہیں دیکھتا ہے اس کو جان کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور اس سے بھی محض جاہل ہیں کہ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باوجود تقرب اور عشق الٰہی کے کبھی نماز ترک نہ فرمایا"۔(صفحہ16،17)

"حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شجرہ خوانی سے متعدّد فوائد ہیں۔ اول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔ دوم صالحین کا ذکر بموجب نزول رحمت ہے عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنی صالحوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ سوم نام بنام اپنے آقایان نعمت کو ایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔ چہارم جب یہ اوقات سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا تو وہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے"۔(125-126)

"مزارات متبرکہ پر خیمہ اور شامیانہ لگانا بھی جائز ہے عمدۃ القاری میں ہے حضرت عمر نے حضرت زینب بنت جحش اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے برادر معظم اور حضرت محمد بن الحنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عنہم کے مزارات پر خیمے لگایا اور نیز مولانا علی قاری مکی نے شرح مرقات میں فرمایا جب کہ قبر پر خیمہ کسی فائدہ شرعیہ کے لیے ہو جیسے اس کے نیچے بیٹھ کر قاری لوگ قرآن مجید پڑھیں تو یہ منع نہیں ہے نیز قبروں پر کہگل یا لپائی

کرنا بھی درست ہے چنانچہ امام بخاری نے روایت کیا کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے صاحب زادے حضرت سیدنا ابراہیم علی ابیہ وعلیہ الصلوۃ والسلام کا مزار ایک بالشت بلند بنایا اور اس پر سرخ مٹی سے کنکری فرمائی دیکھو رسالہ القول الفاخر فی اثبات البناء علی مزارات المقابر تصنیف لطیف حضرت مولانا مولوی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی مارہرہ شریف دام بفیضہ القوی"۔(صفحہ 113)

تینوں اقتباسات کے مطالعے سے جہاں حضرت مولانا حافظ محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کی نثر نگاری پر دسترس کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اختصار اور تلخیص کرنے کا کیا ہی خوب ہنر ہے وہیں حضرت کے کثرت مطالعہ سے بھی آگہی ہو رہی ہے ۔ رموز حقیقت کے مطالعہ سے حضرت کی نثر نگاری کے اختصاصات واضح ہو رہے ہیں وہیں یہ پتا چل جاتا ہے وہ بہترین شاعر بھی تھے اور حنیف ان کا تخلص تھا۔ سلسلہ قادریہ مجددیہ آبادانیہ فریدیہ تیغیہ کا منظوم شجرہ حضرت حنیف کی یادگار ہے منظوم شجرہ کے علاوہ مناجات کے اشعار بھی ہمیں خاص متوجہ کر رہے ہیں ان کی شاعری پر امام الکلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے اثرات خاص طور پر نظر آرہے ہیں۔ اثرات نظر بھی کیوں نہیں آئے کیوں کہ آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد الحمید فریدی بنارسی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی میں گہرے مراسم تھے۔ مولانا شاہ عبد الحمید کا وصال (2 شوال المکرم 1339ھ مطابق 2 جون 1921ء) پر اعلیٰ حضرت نے قطعہ تاریخ وفات تحریر فرمایا۔ یہ عجب اتفاق رہا کہ شاہ عبد الحمید کے وصال کے بعد ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو اعلیٰ حضرت جاں بحق ہوئے مزید معلومات کے لیے تذکرہ مشائخ بنارس مرتب مولانا ابو الاثر عبد السلام رفیق بن مولانا محمد ابراہیم صاحب مفتی وخطیب جامع مسجد شاہی بنارس کا مطالعہ کیا جائے۔

اعزاز قادری، حضرت سرتاج اولیا حافظ محمد حنیف قادری کی دوسری مؤلفہ کتاب ہے یہ کتاب 5 ذی الحجہ 1371ھ مطابق 1932ء میں مکمّل ہوئی۔ چھپن صفحات کی یہ کتاب تصوف کے باب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ کتاب کے صفحہ 5 تا 20 عرض مؤلف کے ذیل میں کتاب کی تحریر کے اسباب و وجوہات کو بیان کیا گیا ہے پھر تصوف کی تاریخ اور اس کی اہمیت اور افادیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ قرآن و حدیث سے مملو یہ تحریر بہت کار آمد ہے۔ صفحہ 21 سے 40 تک غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کی زندگی کے حالات کو پیش کیا گیا ہے۔ عام کتابوں کے برعکس یہاں کرامات کم بلکہ پیغامات غوث پاک پر زور دیا گیا ہے۔ ضمیمۂ اعزاز قادری میں دوازدہ امام کے مختصر حالات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ چار پیر اور چودہ خانوادے کا بھی ذکر اس کتاب میں اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ نماز غوثیہ کی ترتیب بھی کتاب کا حصہ ہے۔

راقم کے سامنے جو نسخہ ہے اس میں کتاب کے اخیر میں شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ کا وصایا شریف بھی شامل ہے پھر تشریح مذہب اہل سنت ہے جس کے مطالعہ سے ایمان و عقیدہ میں بالیدگی آجارہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ نے وصیت نامہ ۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ کو قلم بند کرایا تھا جس پر ملک العلما خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری کے علاوہ حضرت مفتی عبد الحفیظ قادری مفتی آگرہ، مولانا سید الزماں حمدوی، مولانا سید شمس الدین اور مولانا غلام محی الدین کے شہادتی دستخط موجود ہیں۔ پہلے ہی بتا دیا گیا ہے کہ اس کتاب میں غوث پاک کے پیغامات پر زور دیا گیا ہے ل۔ ہذا حضرت غوث اعظم کے کم خوراک والے واقعہ کو پیش کر مصنف نے جو پیغام دیا ہے وہ مصنف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"اب ذرا وہ لوگ جو آپ کے سلسلہ میں ہیں اور آپ کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ ذرا وہ آپ کے حال و قال و افعال کو ملاحظہ کریں اور کچھ تو خیال فرمائیں کہ ہم کیا کرتے ہیں اور ہمارے پیران پیر کیا کرتے تھے۔ ہم کیوں کر ان کے مقبولوں میں شمار کئے جائیں گے ۔ بڑا افسوس تو ان حضرات پر ہے، جو صوفی درویش بن کر نفس کی اتباع میں خوب عمدہ عمدہ کھانے پیٹ بھر کھاتے ہیں اور تمام

رات پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں۔ نہ حرام سے غرض نہ حلال کی تلاش نہ تقوی کی خواہش نہ شریعت کی پرواہ نہ معرفت کی بو نہ حقیقت کی جستجو، بغیر مجاہدات و ریاضات کامل درویش ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

حضرات خواجہ حاجی شریف زندہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس درویش پر افسوس ہے کہ سیر بھر کھاوے اور رات بھر سوے۔ فقیر کے لیے چار باتیں سم قاتل ہیں۔ پیٹ بھر کھانا، رات بھر سونا عیش طلبی اور عبادت میں سستی"۔ (اعزاز قادری صفحہ 28)

مذکورہ بالا اقتباس کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس بے باکی اور حقیقت پسندی نے حضرت مؤلف نے اصلاحی فریضہ انجام دیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔ زبان کی نفاست و سلاست اور مسجع عبارت کو دیکھ کر حضرت مؤلف کی نثر نگاری کی داد دینی ہی پڑتی ہے۔

حضرت حافظ حنیف قادری تیغی کی تیسری کتاب "ہدایت المریدین" ہے۔ یہ کتاب بھی 56 صفحات کی ہے۔ یہ کتاب کب مکمل ہوئی اور اس کی پہلی اشاعت کا سال کیا ہے؟؟ یہ سب باتیں تحقیق طلب ہیں۔ خانقاہ آبادانیہ سرکار سرکانھی شریف کے سجادہ نشیں مولانا محمد علی براہیمی کی 28 مارچ 1985ء مطابق 5 رجب المرجب 1405ھ کی تحریر کے مطابق پیش نظر نسخہ چوتھا ایڈیشن ہے۔ اس کا سابقہ ایڈیشن کب اور کس سال شائع ہوا اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اتنی بات تو صاف ہے کہ یہ کتاب شیخ المشائخ سرکار سرکانھی کی حیات میں لکھی گئی تھی اور حضرت شیخ المشائخ نے ملاحظہ فرمایا جیسا کہ سلسلہ تیغیہ کی عبقری شخصیت اور مؤلفہ انوار صوفیہ علامہ جید القادری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے۔ بہر کیف "ہدایت المریدین" سلسلہ تیغیہ سے منسلک افراد کے لیے ہی مفید نہیں بلکہ اس کتاب کی افادیت جملہ سلاسل کے وابستگان لیے یکساں ہے۔ مسائل ضروریہ، ہدایات مفیدہ، نقشہ مقامات لطائف ستہ، فاتحہ کا طریقہ، چاروں سلاسل قادریہ نقشبندیہ چشتیہ اور سہروردیہ سے سرکار سرکائیں کی جتنی شاخوں سے نسبت ہے، ان کے شجرہ مبارکہ کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اوراد قادریہ، نماز تہجد اور دعائے مبارک عطائے رحمانی جیسے عناوین سے تحریریں یکجا کی گئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں مولانا مولوی محمد شمس الحق پیش امام جامع مسجد چنگیل ہوڑہ کی تقریظ شامل ہے حافظ حنیف تیغی کی یہ کتاب بھی لازوال ہے اللہ و رسول کے متعلق کیسا عقیدہ رکھنا لازم ہے اس جانب خصوصی ہدایات موجود ہیں۔ یہ کتاب مسلک اہل سنت اور مشہور زمانہ مسلک اعلیٰ حضرت کی بھرپور ترجمانی کر رہی ہے۔ ایک مقام پر حضرت سرتاج اولیار قم طراز ہیں:

"اے مرید صادق اگر تجھے مذکورہ بالا اعتقادیات کے علاوہ دیگر اعتقادیات اور اس کی تشریح معلوم کرنے کا شوق ہو تو دیگر کتابوں کا مطالعہ فرما۔ مگر وہ کتابیں سو برس سے قبل کی تصنیف ہوں۔ کیوں کہ سو برس کے بعد کی تصانیف کم ایسی ہوں گی جو خدشے سے خالی ہوں گی۔ مذاہب باطلہ کے عقائد باطلہ کی تفصیل و توضیح معلوم کرنے کے لیے حضور پر نور سیدی و مرشدی قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین قطب العالمین قاسم الانوار حضرت مولانا مولوی حاجی شاہ محمد عبد الحمید پانی پتی قبلہ رضی اللہ عنہ کا مبارک رسالہ الحق الحقیق بالقبول، کشف سر المکنون، وعظ حسنہ وغیرہ دیکھنا چاہیے۔ یا اگر اور زیادہ شوق ہو تو مجدد مائتہ حاضرہ ناصر ملت زاہرہ صاحب تصانیف کثیرہ باہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت عالم اہل سنت مولانا الحاج شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصانیف یا ان کے ہم عقیدہ و دیگر اہل سنت کی تصانیف مثل بہار شریعت و تعلیم المسلمین وغیرہ ملاحظہ فرما"۔ (ہدایت المریدین صفحہ 16 و 17)

حافظ محمد حنیف قادری کی چوتھی کتاب "مظاہر قطب الانام المعروف بہ انوار قادری" ہے۔ یہ کتاب بانی سلسلہ تیغیہ حضرت شیخ المشائخ الحاج شاہ محمد تیغ علی قادری آبادانی فریدی مجیبی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے۔ یہ کتاب حضرت شیخ المشائخ کا سال وصال 1378ھ مطابق 1958ء کے بعد لکھی گئی اور 1380ھ مطابق 1960ء میں

شائع ہوئی۔کتاب کے آغاز میں حضرت مولانا محمد شمس الحق قادری مجیبی بلیاوی کا لکھا ہوا دیباچہ ہے جس کے مطالعہ سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ کتاب حضرت کے وصال کے ایک سال کے بعد مکمل ہوگئی جیسا کہ دیباچہ کے آخر میں ۲؍رمضان المبارک 1379ھ مطابق یکم مارچ 1960ء درج ہے۔اس کتاب کے مصنف ہر چند حافظ محمد حنیف قادری ہیں لیکن مرتب کے طور پر حضرت مولانا شاہ محمد علاء الدین طالب القادری کا نام ہے۔عہد حاضر میں موجود انوار قادری جو مولانا محمد علی براہیمی سجادہ نشین خانقاہ تیغیہ آبادانیہ سرکانھی شریف مظفر پور کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے اسے مولانا محمد علی براہیمی نے دوسرا ایڈیشن لکھا ہے، دوسرا ایڈیشن 8 ربیع الاول 1416ھ مطابق 6 اگست 1995ء میں شائع ہوا ہے یہی ایڈیشن راقم الحروف کے پیش نظر ہے حالاں کہ اس کا پہلا ایڈیشن ریختہ ڈاٹ کام پر باصرہ نواز ہوا ریختہ والوں نے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے عکس لیا ہے۔خدا بخش کے ریکارڈ کے مطابق اس کتاب کا نمبر Acc 2022 اور تاریخ اندراج 18.2.1969 ہے۔قدیم ایڈیشن 175 صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت تین روپے اور پچاس نئے پیسے درج ہے۔ناشر (علامہ) جید القادری ہیں اور یہ کتاب اسٹار پریس 33 زکریا اسٹریٹ کلکتہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔جدید ایڈیشن 237 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دیگر بات ہے کتاب کی طباعت کے متعلق تفصیلات موجود نہیں ہیں قدیم ایڈیشن میں سرکار سرکانھی کے جانشین اور سجادہ نشیں کے محض نو خلفائے کرام کے اسماء لکھے ہوئے ہیں جب کہ جدید میں ۸۸ خلفا کی فہرست شامل ہے۔بہر کیف انوار قادری کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب فن سوانح نگاری میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔کتاب کا دیباچہ آغاز میں ہے جب کہ اخیر میں علمائے اہل سنت و مشائخ طریقت کے نثری تاثرات اور منظوم خراج عقیدت شامل ہیں۔نثری تاثرات کے باب میں حضرت مولانا شاہ احسان علی صدیقی قادری علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف، حافظ ملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ، حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور مولانا سید عبدالمسجود وجود القادری ربانی جبل پوری علیہ الرحمہ نے اپنے اپنے تاثرات کے ذریعے جہاں حضرت شیخ المشائخ کی خدمات کا اعتراف کر خراج عقیدت پیش کیا ہے وہیں مصنف کتاب حضرت حافظ محمد حنیف قادری کی قلمی خدمات کی داد دی ہے۔مولانا مولوی طفیل احمد حامدی رضوی، علامہ غلام جیلانی میرٹھی، مولانا مجیب الاسلام نسیم اعظمی، مولانا صابر القادری نسیم بستوی، جناب نایاب غازی پوری، مولانا علی احمد جید القادری اور مولانا محمد علاء الدین طالب القادری وغیرہ کے منظوم تاثر اور مناقب سرکار سرکانھی کتاب میں شامل ہیں۔علامہ و مشائخ کے تاثرات اور قلمی خراج کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے حضرت شیخ المشائخ سبھوں کے محبوب نظر تھے حافظ محمد حنیف قادری نے یہاں اشرفی اور رضوی کا ایک ایسا سنگم تیار کیا کہ قاری عجیب و غریب لطف حاصل کرتا ہے۔حافظ محمد حنیف قادری کی کتاب انوار قادری کے مطالعہ سے اس کی عصری معنویت خود بہ خود واضح ہو جارہی ہے۔عہد حاضر کے مصنفین و مؤلفین صاحب سوانح کے فضائل و کرامات پر زیادہ زور دیتے ہیں لیکن مصنف انوار قادری نے اپنے شیخ طریقت کے فضائل و کرامات سے زیادہ ان کے پیغامات کو عام کیا ہے۔حسب ضرورت ہی سوانحی حالات کو سپرد قرطاس کیا گیا ہے۔اس لیے سرکار سرکانھی کی آفاقی شخصیت یہاں جامع انداز میں سامنے آجارہی ہے۔ان کی تعلیم و تربیت کو اجاگر کیا گیا ہے جس سے ان لوگوں کی اصلاح ہو جاتی ہے جو سرکار سرکانھی کے علم شریعت پر انگلی اٹھاتے ہیں۔عہد حاضر کے سوانح نگار حضرات کے لیے حافظ محمد حنیف قادری کی طرز تحریر رہنما بن کر ہدایت کرتی ہے کہ معجزات ہوں یا واقعات ان کو معتبر و مستند حضرات بالخصوص علما و حفاظ کی روایت سے ہی پیش کیا ہے۔اس کتاب میں سرکار سرکانھی کے اقوال کو اس عمدگی کے ساتھ لفظوں میں پیرویا ہے قاری خوب خوب لطف اندوز ہو جاتا ہے۔انوار قادری کے مزید اختصاصات سے قطع نظر چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"آپ (سرکار سرکانھی) نے فرمایا کہ تیرے اور تیرے نفس کے درمیان مخلوق حجاب ہے اور تیرے رب کے درمیان نفس

حجاب ہے۔ تو جب تک خلق کو دیکھے گا نفس کو نہیں پائے گا اور جب اپنے نفس کو دیکھے گا تو رب کو دیکھے گا"۔ (انوار قادری، صفحہ 91)

"شریعت یہ ہے اسی کو پوجو۔ طریقت یہ ہے کہ اسی کو طلب کرو اور حقیقت یہ ہے کہ اسی کو دیکھو"۔ (صفحہ 89)

"ذرا غور کیجیے کہ یہ جسم اور ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ کس کے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ انسان کے ہیں تو یہ انسان کے قبضہ میں نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کے نہیں تو پھر کس کے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ دوسرے کا دعویٰ غلط ہے۔ جب کہ اللہ کے سوا کچھ موجود ہی نہیں تو شرکت کیسی؟" (صفحہ 109)

ان کے علاوہ درجنوں مثالیں ہیں جن سے سرکار سرکانھی کے علمی کمالات واضح ہو رہے ہیں۔ مصنف انوار قادری کو شاید معلوم تھا کہ ایک دور ایسا آئے گا جس میں صاحب سوانح کے علم کے سلسلے میں لوگ گمراہ ہوں گے اسی لیے سرکار سرکانھی کے عالمانہ وفاضلانہ ارشادات کو بیش از بیش سپرد قرطاس کیا ہے۔ حافظ محمد حنیف قادری کی یہ کتاب سرکار سرکانھی کی شخصیت اور خدمات کی تفہیم کے سلسلے میں بنیادی ماخذ ہے۔ حافظ محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف بیاض قادری کی بھی اطلاع ہمیں ملتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت حافظ و قاری محمد حنیف قادری کی تصنیفات کے سلسلے میں میں جو باتیں لکھی گئی ہے وہ محض ایک تمہید تصور کرنا چاہیے کیوں کہ حضرت جیسی شخصیت کی تحریر کے ساتھ خاکسار کما حقہ انصاف کر ہی نہیں سکتا ہے اس لیے اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ حضرت کی علمی و تحریری خدمات پر توجہ فرمائیں تاکہ ان کے فیضان سے عالم اسلام خوب خوب مستفیض و مستفید ہو سکے اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ اور ان کے پہلے خلیفہ حضرت حافظ محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کے روحانی فیضان سے مالا مال فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

☆☆☆

(ص:19 کا بقیہ)

بلکہ اس علم کو عملی میدان میں برتنے میں پوشیدہ ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں ایک تربیت یافتہ اور متوازن شخصیت اپنی اصل پہچان قائم کرتی ہے۔ ایک طرف وحیِ الٰہی کی رہنمائی ہے جو انسان کو حق و باطل میں تمیز سکھاتی ہے، اور دوسری طرف زمانے کے بدلتے تقاضے ہیں جو انسان سے حکمت، بصیرت اور حسنِ تدبیر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایسے میں کامیابی اسی کا مقدر بنتی ہے جو ان دونوں دھاروں کو باہم ہم آہنگ کر کے اپنی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دیتا ہے۔ "ہاتھ میں چراغ ہو تو راستے خود روشن ہو جاتے ہیں" یہی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب قرآنی ہدایت انسان کے اعمال کی بنیاد بن جائے، اور یوں اس کی زندگی علم، عمل اور حکمت کا ایک خوبصورت امتزاج بن جاتی ہے۔

قرآن کریم انسان کو اعتدال، عدل اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی اصول جب جدید زندگی کے معاملات پر منطبق کیے جاتے ہیں تو ایک ایسا متوازن طرزِ عمل وجود میں آتا ہے جو نہ افراط کا شکار ہوتا ہے نہ تفریط کا۔ مثلاً معاملاتِ معاش میں دیانت و امانت کو اختیار کرنا، سماجی زندگی میں رواداری اور انصاف کو اپنانا، اور پیشہ ورانہ میدان میں محنت و ذمہ داری کو شعار بنانا یہ سب وہ عملی اصول ہیں جو ایک مسلمان کو ہر دور میں کامیاب بناتے ہیں۔

اس ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے فیصلوں میں شعوری طور پر یہ دیکھے کہ اس کا ہر قدم اخلاقی و دینی اقدار کے مطابق ہو۔ جدید ذرائع، ٹیکنالوجی اور علوم کو محض سہولت کے طور پر استعمال کیا جائے، نہ کہ انھیں مقصدِ حیات بنالیا جائے۔ یوں انسان دنیا کے ہنگاموں میں رہتے ہوئے بھی اپنے اصل راستے سے نہیں بھٹکتا۔ جب قرآنی تعلیمات کو عملی زندگی میں اس حکمت کے ساتھ نافذ کیا جاتا ہے تو انسان کے اندر ایک ایسا توازن پیدا ہوتا ہے جو اسے ہر حال میں مضبوط اور باوقار رکھتا ہے۔ یہی وہ اصولی ہم آہنگی ہے جو ایک مسلمان کو نہ صرف کامیاب انسان بناتی ہے بلکہ اسے معاشرے کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ بھی بنا دیتی ہے۔ ■■■

آئینۂ وطن

مغربی بنگال میں عوامی فلاحی اسکیمیں: ایک جائزہ

محمد حفیظ الدین۔ سکریٹری، گنجریا اتحاد ویلفیئر سوسائٹی

مغربی بنگال کے حالیہ انتخابی نتائج کے بعد اب تمام تر نظریں نئی حکومت کی ترجیحات پر مرکوز ہیں۔ جناب حفیظ الدین نے اپنا یہ مضمون ہمیں مغربی بنگال الیکشن سے قبل ارسال کیا تھا، اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ موجودہ مضمون میں انھوں نے جن انقلابی اسکیموں کا ذکر کیا ہے، وہ ریاست کے سماجی و معاشی ڈھانچے میں اس قدر پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا تسلسل عوامی توقعات کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ نئی انتظامیہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج ان اسکیموں کی شفافیت کو برقرار رکھنا اور ان کے دائرہ کار کو مزید وسعت دینا ہوگا، تاکہ سیاسی تبدیلی کے باوجود عام آدمی کو ملنے والی سہولیات متاثر نہ ہوں۔ اب یہ دیکھنا اہم ہوگا کہ کیا نئی حکومت ان منصوبوں کو اسی جوش و جذبے کے ساتھ جاری رکھتی ہے یا ان میں اصلاحات کے نام پر کوئی بڑی تبدیلی لائی جاتی ہے، کیوں کہ ان اسکیموں کی کامیابی کا دارومدار صرف ان کے نفاذ پر نہیں بلکہ ان کے مستقل اور غیر سیاسی استحکام پر ہے۔ (مہتاب پیامی)

مغربی بنگال کی موجودہ سیاسی و سماجی فضا میں عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ریاستی حکومت نے گزشتہ چند برسوں میں جس انداز سے فلاحی اسکیموں کو متعارف کرایا اور انھیں عملی جامہ پہنایا ہے، وہ ایک ایسے ماڈل کی عکاسی کرتا ہے جس میں ترقی کو صرف معاشی پیمانوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ سماجی انصاف، انسانی وقار اور عوامی شمولیت کو بھی برابر کی اہمیت دی گئی ہے۔ ان اسکیموں کا مقصد محض وقتی ریلیف فراہم کرنا نہیں بلکہ ایک ایسا مستحکم اور خود کفیل معاشرہ تشکیل دینا ہے جہاں ہر فرد کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع میسر ہوں۔

ریاست کی آبادی کا ایک بڑا حصہ دیہی علاقوں میں رہتا ہے جہاں بنیادی سہولیات کی کمی، روزگار کے محدود مواقع اور تعلیمی پسماندگی جیسے مسائل درپیش رہے ہیں۔ ایسے میں حکومت کی جانب سے متعارف کرائی گئی اسکیمیں ان مسائل کے حل کی ایک سنجیدہ کوشش کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ خاص طور پر خواتین، کسانوں، مزدوروں، طلبہ اور غریب طبقات کے لیے بنائی گئی پالیسیاں اس بات کی غماز ہیں کہ حکومت نے سماج کے ہر طبقے کو مدنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندی کی ہے۔

لکشمی بھنڈار اسکیم خواتین کی معاشی خود مختاری کی جانب ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اسکیم کے ذریعے خواتین کو ماہانہ مالی امداد فراہم کی جاتی ہے، جس سے وہ نہ صرف اپنے ذاتی اخراجات پورے کر سکتی ہیں بلکہ گھریلو معیشت میں بھی فعال کردار ادا کرتی ہیں۔ اس اسکیم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس نے خواتین کو مالی طور پر بااختیار بنایا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے اندر خود اعتمادی میں اضافہ ہوا ہے اور وہ اپنے فیصلے خود لینے کے قابل ہوئی ہیں۔ دیہی علاقوں میں اس اسکیم کے اثرات اور بھی نمایاں ہیں، جہاں خواتین کو پہلے مالی وسائل تک رسائی حاصل نہیں تھی۔

کنیا شری اسکیم نے تعلیم کے میدان میں ایک مثبت انقلاب برپا کیا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینا اور کم عمری کی

رابطہ نمبر 7866912957....hafiznoori1987@gmail.com

شادیوں کی روک تھام اس اسکیم کے بنیادی مقاصد ہیں۔ اس کے تحت لڑکیوں کو مختلف تعلیمی مراحل پر مالی امداد فراہم کی جاتی ہے، جس سے نہ صرف ان کی تعلیمی حوصلہ افزائی ہوتی ہے بلکہ والدین کو بھی اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلانے کی ترغیب ملتی ہے۔ اس اسکیم کے نتیجے میں اسکولوں اور کالجوں میں لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور سماجی سطح پر بھی شعور بیدار ہوا ہے کہ تعلیم ہی ترقی کی کنجی ہے۔

سواستھ ساتھی اسکیم صحت کے شعبے میں ایک انقلابی قدم ہے۔ اس کے تحت لاکھوں خاندانوں کو ہیلتھ انشورنس کارڈ فراہم کیے گئے ہیں، جن کے ذریعے وہ سرکاری اور نجی اسپتالوں میں مفت یا کم خرچ پر علاج کرا سکتے ہیں۔ اس اسکیم نے خاص طور پر غریب اور متوسط طبقے کو بڑی راحت فراہم کی ہے، جو پہلے مہنگے علاج کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف صحت کی سہولیات تک رسائی بہتر ہوئی ہے بلکہ عوام میں صحت کے حوالے سے شعور بھی بڑھا ہے۔

سبوج ساتھی اسکیم تعلیم کے فروغ کے لیے ایک عملی اقدام ہے، جس کے تحت طلبہ کو مفت سائیکل فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ بآسانی اسکول جا سکیں۔ یہ اسکیم خاص طور پر دیہی علاقوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی ہے، جہاں اسکولوں تک پہنچنا ایک بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔ سائیکل کی فراہمی نے نہ صرف طلبہ کی حاضری میں اضافہ کیا ہے بلکہ ان کے اندر خود مختاری اور ذمہ داری کا احساس بھی پیدا کیا ہے۔

کرشک بندھو اسکیم کسانوں کے لیے ایک جامع فلاحی پروگرام ہے، جس میں انھیں مالی امداد کے ساتھ ساتھ انشورنس کی سہولت بھی فراہم کی جاتی ہے۔ کسانوں کو اکثر موسمی تغیرات، قدرتی آفات اور مارکیٹ کی غیر یقینی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے ان کی آمدنی متاثر ہوتی ہے۔ اس اسکیم کے ذریعے انھیں ایک مالی تحفظ فراہم کیا گیا ہے، جس سے وہ ان مشکلات کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں۔

روپاشری اسکیم سماجی مسائل کے حل کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ غریب خاندانوں کے لیے بیٹیوں کی شادی ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے، جس کے باعث وہ اکثر قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت حکومت شادی کے لیے مالی امداد فراہم کرتی ہے، جس سے یہ بوجھ کسی حد تک کم ہو جاتا ہے اور خاندان عزت کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھا سکتے ہیں۔

کھادیا ساتھی اسکیم کے تحت غریب عوام کو سستی قیمت پر اناج فراہم کیا جاتا ہے، جس سے غذائی تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ یہ اسکیم اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ کوئی بھی فرد بھوکا نہ رہے اور ہر شہری کو بنیادی خوراک میسر ہو۔

اسٹوڈنٹ کریڈٹ کارڈ اسکیم اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند طلبہ کے لیے ایک اہم سہولت ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ کم سود پر قرض حاصل کر کے اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس اسکیم نے خاص طور پر ان طلبہ کے لیے نئی راہیں کھولی ہیں جو مالی مشکلات کے باعث اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

کرم شری، یووا ساتھی اور اتکرشا بنگلہ جیسی اسکیمیں نوجوانوں کو ہنر مند بنانے اور انھیں روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لیے متعارف کرائی گئی ہیں۔ ان اسکیموں کے تحت مختلف تربیتی پروگرامز اور اسکل ڈیولپمنٹ کورسز فراہم کیے جاتے ہیں، جن کے ذریعے نوجوان اپنی صلاحیتوں کو نکھار کر خود کفیل بن سکتے ہیں۔

دوارے سرکار ایک منفرد اور عوام دوست پہل ہے، جس کے تحت حکومت خود عوام کے دروازے تک جا کر انھیں مختلف اسکیموں کا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس اقدام نے سرکاری خدمات کو عام آدمی کے لیے آسان بنا دیا ہے اور بدعنوانی کے امکانات کو بھی کم کیا ہے۔

چاسندری اسکیم چائے کے باغات میں کام کرنے والی خواتین کی فلاح کے لیے بنائی گئی ہے، جب کہ شیشو ساتھی اسکیم بچوں کی صحت و بہبود کو یقینی بنانے کے لیے اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ بنگلہ آواس یوجنا کے تحت بے گھر افراد کو رہائش فراہم کی جا رہی ہے، جو ایک باعزت زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ **(باقی، ص:49 پر)**

یادِ ماضی

عالم بیگ

انقلاب 1857 کا ایک تحقیقی و تاریخی بیانیہ

مصنف: کم اے. ویگنر ——— مترجم: مہتاب پیامی

'دی اسکل آف عالم بیگ' (The Skull of Alum Bieg):

کم اے ویگنر (Kim A. Wagner) کی تصنیف 'دی اسکل آف عالم بیگ' صرف ایک انسانی کھوپڑی کی برآمدگی کی داستان نہیں ہے، بلکہ یہ برطانوی استعمار کے اس سیاہ باب کی نقاب کشائی ہے جسے 'جنگِ آزادی 1857ء' کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے سپاہی کی کہانی بیان کرتی ہے جس کے باقیات 110 سال بعد لندن کے ایک مے خانے (Pub) سے ملے، اور پھر وہاں سے اس کی شناخت اور اس کے پیچھے چھپی تاریخ کا ایک طویل سفر شروع ہوا۔

تاریخ کے طلبہ کے لیے یہ کتاب ایک 'کیس اسٹڈی' کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب واضح کرتی ہے کہ کس طرح برطانوی سامراج نے ہندوستانی باغیوں کو عبرت کا نشان بنانے کے لیے انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ عالم بیگ کی کھوپڑی کا بطور 'یادگار' (Trophy) لندن لے جایا جانا، اس وقت کی فاتحانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ مصنف نے جس طرح ایک نامعلوم کھوپڑی سے اس کے مالک کے نام، رجمنٹ (46ویں نیٹو انفنٹری) اور اس کے انجام تک رسائی حاصل کی، وہ تاریخ کے طلبہ کو سکھاتا ہے کہ آرکائیوز اور جزوی شواہد سے تاریخ کیسے مرتب کی جاتی ہے۔ برطانوی مورخین نے 1857ء کو صرف ایک 'غدر' یا فوجی بغاوت قرار دیا تھا۔ یہ کتاب اس بیانیے کے برعکس ان انفرادی کہانیوں کو سامنے لاتی ہے جو حب الوطنی اور مزاحمت سے عبارت ہیں۔

اس کتاب کی علمی اور سماجی افادیت کثیر الجہتی ہے مصنف نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ تشدد صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں تھا، بلکہ یہ سفید فاموں کے اعصاب پر سوار اس خوف کا نتیجہ تھا جو انھیں ہندوستانیوں سے محسوس ہوتا تھا۔ یہ کتاب ہماری جنگ آزادی کے ان گمنام سپاہیوں کو شناخت عطا کرتی ہے جن کا نام تاریخ کے صفحات میں کہیں گم ہو گیا۔ عالم بیگ صرف ایک علامت ہے ان ہزاروں سپاہیوں کی جنھیں توپوں کے دہانے پر رکھ کر اڑا دیا گیا تھا۔

جہاں تک ہماری معلومات اور موجودہ ریکارڈز کا تعلق ہے، 2017 میں شائع ہونے والی اس اہم کتاب کا ابھی تک کوئی باقاعدہ اردو ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اردو میں 1857ء پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن جدید مغربی تحقیق اور آرکائیوز تک عام قاری کی رسائی کم ہے، یہ کتاب عام قاری کو ان تک پہنچنے میں مددگار ہوگی، 1857ء کی جنگ کا مرکز شمالی ہندوستان اور پنجاب کے علاقے تھے، جہاں اردو سمجھنے اور پڑھنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اردو داں طبقے تک اس تحقیق کا پہنچنا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ اپنی تاریخ کو ایک نئے زاویے سے دیکھ سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ترجمہ اس خلا کو پُر کرے گا اور ہمارے قومی بیانیے کو مزید مستحکم کرے گا۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ عالم بیگ جیسے کرداروں کی داستانیں جب جب اردو میں منتقل ہوں گی، تو یہ نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ بنیں گی اور انھیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کی اصل نوعیت معلوم ہو سکے گی۔ (مہتاب پیامی)

Contact:9235647041, payamee@gmail.com

باب (1)- مئی کی گرم ہوا

13 مئی 1857 کی ڈھلتی دوپہر کا وقت تھا جب ایک گھڑ سوار پنجاب کے میدانوں میں خاک اڑاتا ہوا تیزی سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ دن کی تپش کچھ کم ہو چلی تھی، لیکن خشک گرمی اب بھی کسی تندور کی تپتی ہوا کی طرح برقرار تھی۔ مئی کے وسط تک گرمیوں کی آمد کا اب نہ تو انکار ممکن تھا اور نہ ہی اسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا: گیہوں اور جَو کے کھیت کٹ چکے تھے اور بنجر زمین سورج کی سیدھی پڑنے والی شعاعوں کے سامنے کھلی پڑی تھی، میدانوں میں گرم ہوا لرز رہی تھی اور سارا ماحول تپ رہا تھا۔[1]

اپنے گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے وہ سوار راستے میں آنے والے مٹیالے رنگ کے چھوٹے دیہاتوں کے پاس سے گزرتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ ڈاک چوکیوں اور مسافر خانوں پر بھی نہ رکا جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھے۔ اس سوار کے پاس ایک انتہائی اہم پیغام تھا جو اسے ہمالیہ کے دامن میں واقع فوجی چھاؤنی "سیالکوٹ" پہنچانا تھا۔

سیالکوٹ کی طرف بڑھنے والے مسافروں کے سامنے ہمالیہ کا وہ عظیم الشان اور شاندار سلسلہ ہوتا تھا جس پر یوں لگتا تھا جیسے آسمان سہارا لیے کھڑا ہو۔[2] پہاڑ اگرچہ دور تھے، مگر ان کے طرف دیکھنے والی آنکھ کے درمیان ایک وسیع و عریض ہموار میدان تھا۔ پہاڑوں کے اس پورے سلسلے کو دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہ تھی، سوائے افق پر کہیں کہیں نظر آنے والے بادلوں کے، اور پہاڑوں کی چوٹیاں ان بادلوں کو بھی چیرتی ہوئی نکل رہی تھیں جو اس دلکش منظر کو مزید رنگین بنا رہے تھے۔[3]

جب وہ سوار سیالکوٹ پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ ہوا کے لمس میں ٹھنڈک آ چکی تھی، پورے منظر پر نیلگوں دھند کی ایک باریک چادر سی تنی تھی، اور لکڑی کے دھوئیں، مویشیوں اور راکھ پر پکتی ہوئی گندم کی روٹیوں کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔[4]

اگرچہ سیالکوٹ پنجاب میں برطانوی نوآبادیاتی نظم و ضبط کے مرکز، لاہور سے محض ستر میل کے فاصلے پر تھا، لیکن پھر بھی یہ ایک الگ تھلگ مقام سمجھا جاتا تھا۔ لاہور کو پشاور اور شمال مغربی سرحد سے ملانے والے "جی ٹی روڈ" سے پچیس میل ہٹ کر واقع یہ شہر ایک طرح سے آخری حد تھی، کیونکہ اس کے شمال مشرق میں چند ہی میل کے فاصلے پر جموں و کشمیر کی آزاد ریاستوں کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ 1857ء تک یہ اسٹیشن ابھی ٹیلی گراف (تار) سے منسلک نہیں ہوا تھا، جسے اس وقت برطانوی سلطنت اپنی ترقی کی بڑی علامت سمجھتی تھی۔ لاہور سے آنے والے ٹیلی گرام پہلے ساٹھ میل شمال میں واقع جہلم بھیجے جاتے، وہاں انھیں کاغذ پر نقل کیا جاتا اور پھر ایک پیغام رساں انھیں لے کر گجرات اور وزیر آباد جاتا، جہاں سے وہ آخر کار سیالکوٹ پہنچتے تھے۔[5]

1848-49 کی دوسری اینگلو سکھ جنگ کے بعد انگریزوں نے اپنے ہندوستانی مقبوضات کی اس شمالی چوکی پر ایک فوجی چھاؤنی قائم کی تھی۔ 1857ء تک سیالکوٹ کی شکل و صورت ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں میں موجود دیگر بے شمار نوآبادیاتی اسٹیشنوں جیسی ہو چکی تھی: ایک طرف برطانوی چھاؤنی تھی جس میں فوجی بیرکیں اور کشادہ بنگلے تھے جو فٹ رولر کی طرح بالکل سیدھی اور چوڑی سڑکوں پر بنے تھے، اور دوسری طرف ان سے بالکل الگ تھلگ قدیمی "مقامی" شہر تھا جو اپنے قرونِ وسطیٰ کے نقشے اور ٹیڑھی میڑھی تنگ گلیوں پر مشتمل تھا۔ اگر فضا سے دیکھا جاتا تو اس کا نقشہ کچھ ایسا لگتا تھا جیسے ایک بڑا مستطیل (ریکٹینگل) کسی انڈے کے اوپر توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں ٹکا ہوا ہو۔

"مقامی" شہر اپنے بازاروں، مندروں اور درگاہوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے قلعے کے گرد آباد تھا، جو اہم شاہراہوں کے سنگم پر واقع تھا۔ یہ قلعہ، جسے سردار تیجا سنگھ کا قلعہ کہا جاتا تھا، ایک قدیم بستی کے ملبے سے بنے ٹیلے پر واقع تھا اور

پورے علاقے کا بلند ترین مقام تھا۔ اس کے گول برجوں سے کھڑے ہو کر پورے قصبے اور ارد گرد کے دیہی علاقوں کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔[6]

قلعے کے جنوب میں سڑکیں تقسیم ہو کر گوجرانوالہ، لاہور، امرتسر اور گورداسپور کی طرف جاتی تھیں۔ مغرب کی طرف جانے والی سڑک وزیر آباد تک لے جاتی، جہاں سے آپ یا تو جنوب میں لاہور جاسکتے تھے یا شمال میں جہلم اور پھر پشاور کی طرف۔ قلعے کے عین شمال میں چار سڑکیں پنکھے کی شکل میں پھیلتی تھیں جو شہر کو "پلکھو نالہ" کے دوسری طرف واقع چھاؤنی اور سِول لائنز سے ملاتی تھیں۔

مغربی جانب دو سڑکیں شمال کی طرف جاتی تھیں جو کچہری، خزانے اور جیل سے گزر کر سول لائنز کے بکھرے ہوئے بنگلوں اور پولیس بیرکوں تک پہنچتی تھیں۔ بالکل شمال کی سمت دو سڑکیں سیدھی چھاؤنی کی طرف جاتی تھیں؛ ان میں سے مشرقی سڑک ایک بڑے "صدر بازار" سے گزرتی تھی جو فوجیوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے تھا، اور پھر وہاں سے فوجی اسٹیشن کی منظم حدود شروع ہو جاتی تھیں۔

اس اسٹیشن کا مرکزی مقام "ہولی ٹرنٹی کیتھڈرل چرچ" تھا، جو وکٹوریائی طرزِ تعمیر کی ایک پروقار عمارت تھی (جیسے چرچ اس وقت پورے ہندوستان میں عام تھے)۔ یہ چرچ ابھی حال ہی میں جنوری 1857 میں مکمل ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سینٹ جیمز کا کیتھولک چرچ کھڑا تھا۔ چھاؤنی کے بالکل باہر "آرڈر آف جیسس اینڈ میری" کا ایک چھوٹا سا فرانسیسی کانوینٹ بھی تھا، جب کہ پرانے شہر کے جنوب میں گوجرانوالہ جانے والی سڑک کے قریب امریکی پریسبیٹیرین مشن کی عمارت واقع تھی۔[7]

تقریباً 4,000 برطانوی اور ہندوستانی فوجیوں کی موجودگی کی وجہ سے 1857ء میں سیالکوٹ ایک مصروف فوجی مرکز تھا۔ یہاں پیادہ فوج (انفنٹری) کی تین مکمل رجمنٹیں موجود تھیں۔ "کوینز 52 آکسفورڈ شائر رجمنٹ" صرف برطانوی فوجیوں پر مشتمل تھی، جب کہ "35 ویں" اور "46 ویں" بنگال نیٹیو انفنٹری (BNI) میں ہندوستانی سپاہی شامل تھے جن کی کمان برطانوی افسران کے ہاتھ میں تھی۔ مزید برآں، یہاں ہندوستانی سواروں کی ایک رجمنٹ "9 ویں بنگال لائٹ کیولری" (BLC) اور آرٹلری (توپ خانے) کی دو بیٹریاں بھی تھیں، جن میں سے ایک برطانوی اور دوسری ہندوستانی تھی۔[8]

اگر سول انتظامیہ کے حکام، پادریوں، ڈاکٹروں اور ان کی بیویوں اور بچوں کو بھی شامل کیا جائے تو سیالکوٹ میں مستقل رہائش پذیر یورپی باشندوں کی تعداد کئی سو تھی۔ اس کے باوجود، ان "صاحبوں" اور "میم صاحبوں" کی تعداد مقامی آبادی کے مقابلے میں بہت کم تھی، کیوں کہ صرف پرانے شہر اور اس کے گردونواح میں مقامی لوگوں کی تعداد 20,000 کے قریب تھی[9]۔ اس میں چھاؤنی کے بازاروں میں رہنے والے ہزاروں افراد، فوج کے ساتھ آنے والے خدمت گاروں اور برطانوی نظم ونسق سے وابستہ ان گنت کلرکوں اور ملازموں کا اضافہ بھی کر لیں جو کسی نہ کسی حیثیت میں وہاں کام کر رہے تھے۔

پرانے شہر کی ہندوستانی آبادی تو پنجاب کی مقامی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور سکھ شامل تھے، لیکن برطانوی ملازمت میں موجود اکثر ہندوستانیوں کا تعلق "میدانِ گنگا" (یو پی، بہار وغیرہ) سے تھا اور وہ ہندو تھے۔ یہ لوگ 1849ء میں رنجیت سنگھ کی سکھ سلطنت کی شکست کے بعد برطانوی افواج اور انتظامیہ کے ساتھ یہاں پہنچے تھے۔

آدھی رات گزر چکی تھی جب اس سوار نے، جو کہ ایک برطانوی افسر تھا، بالآخر اپنا پیغام ڈپٹی کمشنر ہنری مونکٹن کے حوالے کیا۔ مونکٹن سیالکوٹ کے سب سے بڑے سول عہدیدار اور ضلع کے چیف مجسٹریٹ تھے[10]۔ مونکٹن، جو طویل عرصے سے علیل تھے، ابھی اپنی بیماری کی چھٹی کی درخواست تیار ہی کر رہے تھے کہ اس پیغام نے انھیں اپنی صحت کی پروا کیے بغیر عہدے پر برقرار رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت انگریزوں اور

ہندوستانیوں سمیت زیادہ تر آبادی گہری نیند سو رہی تھی، مگر پھر بھی خبر کو باہر نکلنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ 52 ویں رجمنٹ کے ایک برطانوی افسر نے یاد کرتے ہوئے بتایا کہ کیسے اسے جگانے والے بگل (Rouse) کی آواز نے نیند سے بیدار کر دیا، اور وہ 14 مئی کی صبحِ سویرے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا:

"چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھی تو ٹھیک تین بج رہے تھے، یعنی معمول کے وقت سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے۔ بیدار ہونے کے فوراً بعد بگل نے احکامات کے لیے صدا دی۔ میں حیران ہوا کہ اتنی صبح کیا ضرورت پڑ گئی، لیکن چند ہی منٹوں میں میرا ایک کارپورل آیا اور میرے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے آواز دی اور پوچھا کہ کیا بات ہے، جس پر اس نے جواب دیا کہ رجمنٹ کو دس منٹ میں گولہ بارود (Ball Ammunition) کے ساتھ پریڈ کے لیے پہنچنا ہے۔ میں بستر سے اچھل کر اٹھا، جلدی سے لباس بدلا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا پریڈ گراؤنڈ پہنچا جہاں سپاہی قطاروں میں کھڑے ہو رہے تھے۔"[11]

اُس وقت نیم خوابیدہ برطانوی سپاہیوں کو معمول کے 20 کارتوسوں کے علاوہ مزید 40 راؤنڈ جاری کیے گئے، اور انھیں انتظار کے لیے چھوڑ دیا گیا جب کہ ایک افسر ہندوستانی فوجیوں کی بیرکوں کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے واپس آکر بتایا کہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے، لیکن انھیں الرٹ رہنا ہوگا اور بگل بجتے ہی کسی بھی لمحے نکلنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ اس کے بعد انھیں رخصت کر دیا گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ "35 ویں نیٹیو انفنٹری" کے سپاہی اچانک بغیر کسی حکم کے رات ڈھائی بجے مکمل مسلح ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ تاہم، ان کے افسران انھیں واپس اپنی لائنوں میں بھیجنے میں کامیاب رہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر، برطانوی افسران نے مقامی بیٹری کی توپیں برطانوی فوجیوں کی بیرکوں میں منتقل کر دیں، اور 52 ویں رجمنٹ کی ایک کمپنی کو آرٹلری بیرکوں میں توپوں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا گیا۔ اسٹیشن پر موجود انگریزوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ان توپوں پر کنٹرول رکھنا انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔[12]

---*****---

اگلی صبح سویرے، یعنی 14 مئی کو، عالم بیگ کی آنکھ بگل (Reveille) کی آواز سے کھلی۔ رات کی بے چینی اور ہلچل کے باوجود، اس کے دن کا آغاز ویسے ہی ہوا جیسے ان دنوں ہوتا تھا جب اس کی رجمنٹ، 46 ویں بنگال نیٹیو انفنٹری (BNI)، کسی جنگی مہم پر نہیں ہوتی تھی۔ ایک حوالدار کی حیثیت سے وہ سپاہیوں کے ایک چھوٹے دستے کا ذمہ دار تھا، اور اس کا سارا دن پہرے داری یا "اسکول آف مسکیٹری" میں نگراں کے فرائض کی انجام دہی میں گزرتا تھا۔

بنگال آرمی کی ایک رجمنٹ کے ایک ہندوستانی کلرک کے بیان کے مطابق، سپاہی کی روزمرہ زندگی کافی مشقت طلب تھی:

"اسے ہر صبح بگل بجتے ہی بہت سویرے جاگنا پڑتا اور ڈھول کی تھاپ کے دوران بہت تیزی سے تیار ہونا پڑتا تھا۔ جیسے ہی دوسری بار بگل بجتا، سپاہی کو مکمل وردی میں ملبوس، ہاتھ میں بندوق لیے پریڈ کے لیے میدان کی طرف بھاگنا پڑتا۔ اگرچہ پریڈ ہر صبح نہیں ہوتی تھی، لیکن اتوار اور جمعرات کے سوا سردیوں کے دنوں میں یہ باقاعدگی سے ہوتی تھی۔ یہ ایک سنگین مرحلہ ہوتا تھا؛ اپنے مکمل سامان (Kit) کے ساتھ سپاہیوں کے لیے یہ ورزش انتہائی سخت اور تھکا دینے والی ہوتی تھی، اور کبھی کبھی تو وہ اس دوران زخمی بھی ہو جاتے تھے۔ سپاہیوں کی ایک اور ذمہ داری دن اور رات کے وقت کیمپ کے مختلف اہم حصوں کی پہرے داری تھی؛ جیسے اسلحہ خانہ، صاحبوں کا میس (کھانے کا کمرہ)، خزانہ، رجمنٹ کا بازار اور کیمپ کی بیرونی حدود وغیرہ۔ ہر سپاہی کو دن میں آٹھ گھنٹے پہرے کی ڈیوٹی دینی پڑتی تھی۔ اس ڈیوٹی میں ہر سپاہی لگاتار دو گھنٹے کھڑا رہتا، جس کے بعد پہرہ تبدیل ہوتا اور پچھلے سپاہی کو چار گھنٹے کا آرام ملتا۔ پہرے داری کا

کام نہایت سنجیدہ تھا کیوں کہ ذرا سی سستی بھی بہت سخت سزا کا باعث بنتی تھی۔ اس کے علاوہ، سپاہیوں کو رجمنٹ کے اعلیٰ افسران کے لیے اردلی (خطوط لے جانے والے اور چپراسی) کے طور پر بھی کام کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح، روزانہ 200 سے 250 سپاہی پہرے داروں اور اردلیوں کے طور پر کام کرتے تھے، جب کہ باقی سپاہی پریڈ میں حصہ لیتے تھے۔"[13]

عالم بیگ جیسے مسلمانوں کے لیے، جو زیادہ تر ہندو سپاہیوں پر مشتمل ان رجمنٹوں میں تقریباً 20 فیصد تھے، یہ سروس اس لیے بھی زیادہ کٹھن تھی کیوں اس وقت مئی میں رمضان کا مہینہ تھا۔ مسلمان سپاہی دن بھر کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے، اس لیے ان کے پاس سورج غروب ہونے کے بعد سے صبح چار بجے کی پریڈ سے پہلے تک کھانے پینے اور سحری کے لیے بہت ہی کم وقت بچتا تھا۔

سپاہیوں کی وردی گہرے سبز رنگ کے کالر اور آستینوں والے بھاری سرخ کوٹ پر مشتمل تھی، جس کا ڈیزائن "واٹرلو کی جنگ" کے زمانے سے اب تک بہت کم بدلا تھا، اور اس کے ساتھ یورپی وضع کی لمبی سفید پتلون تھی۔ چمڑے کی سیاہ سجیلی مگر غیر آرام دہ "چاکو" (chako) ٹوپی، جو برطانوی اسٹائل کی تھی، اب متروک ہو چکی تھی اور اسے صرف خاص موقعوں پر پہنا جاتا تھا۔ اس کے بجائے، عالم بیگ اور دیگر سپاہی "کلمارنوک" (Kilmarnock) ٹوپی پہنتے تھے جس پر سفید غلاف چڑھا ہوتا تھا اور سامنے کی طرف رجمنٹ کا نمبر درج ہوتا؛ پیروں میں وہ سینڈل یا مقامی ساخت کے جوتے پہنتے تھے۔

ان کا ہتھیار "براؤن بیس" (Brown Bess) بندوق کا تھوڑا جدید ورژن تھا جسے "پیٹرن 1842" کہا جاتا تھا، جس میں چقماق (فلنٹ لاک) کے بجائے "پرکشن کیپ" کا نظام استعمال ہوتا تھا۔ ان کے ساز و سامان میں ایک سفید بیلٹ اور کراس پٹی بھی شامل تھی جس میں سنگین (bayonet)، کارتوسوں کا تھیلا اور فائرنگ کیپس کے لیے ایک چھوٹی سی تھیلی لگی ہوتی تھی۔ عالم بیگ کی وردی اپنے ماتحتوں سے ذرا مختلف تھی؛ اس کی کمر پر سرخ پٹکا (sash) بندھا ہوتا، کندھے سے ایک لٹکتی ہوئی لیس (aguilette) ہوتی اور کندھوں پر تین پٹیاں اس کے رینک (حوالدار) کی نشاندہی کرتی تھیں۔ پہرے کی ڈیوٹی کے دوران وہ بندوق کے بجائے "پیس اسٹک" (رفتار ماپنے والی چھڑی) بھی تھام سکتا تھا۔[14]

1857ء میں 46 ویں رجمنٹ کی کمان بریویٹ کرنل جی فرکوہسن کے پاس تھی، جو گیارہ دیگر برطانوی افسروں کی مدد سے 994 ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کے انچارج تھے[15]۔ یہ فوج دس کمپنیوں میں تقسیم تھی، اور ہر کمپنی ایک صوبیدار (کپتان) اور ایک جمعدار (لیفٹیننٹ) کے علاوہ ہندوستانی نان کمیشنڈ افسران یعنی چھ حوالداروں، چھ نائیکوں، اسّی سپاہیوں اور ایک بگلچی و ڈھولچی پر مشتمل ہوتی تھی۔[16]

46 ویں بنگال نیٹیو انفنٹری، جسے "میریرو کی بیکن پلٹن" (Marrerroo Ke Becan Paltan) بھی کہا جاتا تھا، کے اعزازات (Battle Honours) میں آسام، پنجاب، جلیانوالہ اور گجرات کی فتوحات شامل تھیں۔ آخری دو نام اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ عالم بیگ اور اس کی رجمنٹ نے ایک دہائی سے بھی کم عرصہ قبل انگریزوں کو یہ علاقہ فتح کرنے میں کلیدی مدد فراہم کی تھی۔[17]

سیالکوٹ میں عالم بیگ اور دیگر سپاہیوں کو "ہندوستانی" کہا جاتا تھا، یعنی وہ لوگ جو گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے (انڈو گنگٹک پلین) کے رہنے والے تھے۔ تاہم، جنوب کی طرف میرٹھ اور دہلی جیسے مقامات پر انھیں "پوربیہ" (مشرقی) پکارا جاتا تھا، کیوں کہ انگریزوں کی بھرتی کردہ فوج کی اکثریت اودھ اور بہار کے علاقوں سے تعلق رکھتی تھی۔

پیادہ فوج (انفنٹری) کی رجمنٹیں عام طور پر 80 فیصد ہندوؤں اور 20 فیصد سکھوں اور مسلمانوں پر مشتمل ہوتی تھیں، جب کہ ڈھولچی اور بگلچی یا تو عیسائی مذہب اختیار کرنے والے مقامی لوگ ہوتے تھے یا پھر "یوریشین" (مخلوط نسل)۔ اس کے

برعکس، رسالہ یا سوار فوج (کیولری) کی رجمنٹیں تقریباً مکمل طور پر مسلمانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔[18]

مشہور افسر ولیم ایچ سلیمان نے عالم بیگ جیسے سپاہیوں کا اپنے آبائی دیہاتوں اور خاندانوں کے ساتھ تعلق کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

"ہماری بنگال نیٹیو انفنٹری کے تین چوتھائی رنگروٹ دریاے گنگا کے بائیں جانب واقع ریاست اودھ کے راجپوت کسانوں میں سے لیے جاتے ہیں، جہاں ان کی محبتیں نسل در نسل اس مٹی سے جڑی ہوئی ہیں۔ جن خاندانوں سے یہ سپاہی آتے ہیں، ان کی نیک تمنائیں پوری ملازمت کے دوران ان کے ساتھ رہتی ہیں اور ایک انسان اور سپاہی کے طور پر ان کے کردار پر خوشگوار اثر ڈالتی ہیں۔ اگرچہ یہ کبھی اپنے خاندانوں کو اپنے ساتھ (ڈیوٹی پر) نہیں لے جاتے، لیکن ہر دو تین سال بعد چھٹی پر ان سے ملنے ضرور جاتے ہیں؛ اور جب بھی سرجن بیماری سے صحت یابی کے لیے آب و ہوا کی تبدیلی کو ضروری قرار دیتا ہے، تو یہ اپنے گھروں کو ہی لوٹتے ہیں۔ ان کے خاندانوں کا تصور ہمیشہ ان کے ذہنوں میں تازہ رہتا ہے..."[19]

بطور حوالدار، عالم بیگ کی ماہانہ تنخواہ 14 روپے تھی، جو کہ عام سپاہیوں سے دگنی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تنخواہ کی یہ شرح گزشتہ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے سے برقرار تھی، حالاں کہ اس دوران اشیاے ضروریہ کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا۔[20]

16 اور 20 سال کی ملازمت کے بعد، سپاہیوں کو ایک یا دو روپے ماہانہ اضافی بونس ملتا تھا، جو ایک ہندوستانی افسر کے بقول ان کی زندگی میں بڑی تبدیلی لاتا تھا:

"ایک کفایت شعار سپاہی عام حالات میں دو یا زیادہ سے زیادہ تین روپے ماہانہ پر گزارا کر لیتا ہے اور باقی تمام رقم اپنے خاندان کو بھیج دیتا ہے۔ ہماری رجمنٹ کے بہت سے سپاہی تو صرف اوپر کے بڑھے ہوئے دو روپوں پر گزارا کرتے ہیں اور اپنی سابقہ پوری سات روپے کی تنخواہ اپنے گھر والوں کو بھیج دیتے ہیں۔"[21]

سلیمان کی وضاحت کے مطابق، ان کی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ واقعی ان کے آبائی دیہاتوں کو بھیجا جاتا تھا:

"وہ اپنی بیویوں یا بچوں کو کبھی اپنی رجمنٹ یا تعیناتی کے مقامات پر ساتھ نہیں رکھتے۔ وہ انھیں اپنے والد یا بڑے بھائیوں کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور صرف چھٹیوں پر گھر واپسی کے دوران ہی ان کے ساتھ وقت گزار پاتے ہیں۔ ان کی آمدنی کا تین چوتھائی حصہ گھر بھیجا جاتا ہے تاکہ ان کے اہل خانہ کی آسائش اور گزر بسر کا انتظام ہو سکے، اور وہ اس گھر کو اس امید پر سنوار سکیں جہاں وہ اپنی زندگی کی آخری بہاریں (بڑھاپا) گزارنے کی خواہش رکھتے ہیں۔"[22]

کسی خاص علاقے سے گہرا تعلق اور سپاہیوں کا اپنے دیہاتوں کے ساتھ یہ رشتہ بنگال آرمی کے بھرتی کے ان منفرد طریقوں کا نتیجہ تھا جو گزشتہ ایک صدی کے دوران پروان چڑھے تھے۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی سیاست میں زیادہ فعال ہوئی، تو ہندوستان میں برطانوی راج کی نوعیت آہستہ آہستہ ایک خود مختار طاقت جیسی ہو گئی[23]۔ کمپنی محض ایک تجارتی ادارے سے بدل کر ایک ایسی نوآبادیاتی ریاست بن گئی جس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ 1818ء تک تجارت کے بجاے لگان (ٹیکس) بن چکا تھا۔ اپنے علاقوں کی حفاظت اور توسیع کے لیے کمپنی مقامی ہندوستانی فوجیوں پر منحصر تھی، جنھیں برطانوی افسران یورپی فوجی اصولوں کے مطابق تربیت دیتے تھے۔

تاہم، اس وقت برطانوی طاقت ابھی ابھر رہی تھی اور اسے ہندوستانی اور یورپی حریفوں کا سامنا تھا جو مقامی فوجیوں کو ویسی ہی ملازمتیں فراہم کر رہے تھے۔ "تہذیب یافتہ بنانے" کے جذبے کے عروج سے پہلے، ریاست کے طور پر کمپنی کے جواز کا ایک بڑا حصہ دراصل نوآبادیاتی دور سے پہلے کی روایات کو جاری رکھنے سے حاصل ہوا تھا، جس میں اونچی ذات کے ہندو سپاہیوں پر مشتمل فوج کا قیام بھی شامل تھا۔ محض ضرورت کے تحت، بنگال میں کمپنی نے شمالی ہندوستان کی فوجی افرادی قوت کی منڈی سے فائدہ اٹھایا اور اودھ و بہار کے زمینداروں کے ذریعے براہِ راست کسان رجمنٹیں بھرتی کرنے کے لیے ذات پات اور

سماجی تعلقات کے موجودہ نیٹ ورک پر بھروسا کیا۔[24]

اپنی رجمنٹوں میں اونچی ذات کے رسوم و رواج کی گنجائش پیدا کرنا ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ایک مؤثر طریقہ تھا جس کے ذریعے وہ اس دور میں ہندوستان میں ایک پرکشش اور جائز فوجی آجر (employer) بن سکتی تھی۔ کمپنی نے باقاعدہ تنخواہ اور پنشن کے وعدے کے ساتھ ساتھ اونچی ذات کے مرتبے کی اصطلاح استعمال کر کے بھرتی کے لیے ایک وفادار بنیاد قائم کر لی۔ انگریز براہِ راست اودھ اور بہار کے دیہاتوں سے بھرتی کرتے تھے، اور جب سپاہی چھٹیوں سے واپس آتے تو وہ اپنے خاندان کے نوجوانوں کو بھی بطور ممکنہ رنگروٹ ساتھ لاتے۔ اس عمل نے رجمنٹ اور گاؤں کے تعلق کو مزید مضبوط کیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ بنگال آرمی کے کچھ حصے ایک وسیع خاندانی نیٹ ورک کی طرح کام کرتے تھے۔ اس کا حتمی نتیجہ بنگال آرمی کے سپاہیوں کی ایک ایسی منفرد اور ہم آہنگ جماعت تھی جو زیادہ تر اونچی ذات کے برہمنوں، بھومی ہاروں اور راجپوتوں پر مشتمل تھی۔[25]

تاہم، عالم بیگ اور اس کے ساتھی سپاہیوں کی مذہبی شناخت اور سماجی حیثیت محض نوآبادیاتی دور سے پہلے کی پیداوار نہیں تھی اور نہ ہی یہ صرف وہ ہندوستانی روایات تھیں جنھیں بنگال آرمی میں اپنا لیا گیا تھا؛ بلکہ سپاہیوں کی سماجی حیثیت خود اس فوج میں ملازمت کا نتیجہ تھی۔ فوجی خدمات سے وابستہ بہت سی مذہبی اور سماجی شناختیں، جن کا درجہ 1857ء تک طے شدہ سمجھا جانے لگا تھا، دراصل پچھلی صدی کے دوران ہی ابھری تھیں اور یہ قدیم ذاتوں کے بجائے "ایجاد کردہ" روایات تھیں[26]۔ مغل سلطنت کے زوال نے جہاں سیاسی اور سماجی انتشار پیدا کیا، وہیں اس نے مشرقی اتر پردیش اور بہار کے راجپوتوں اور بھومی ہاروں (جنھیں زرعی برہمن کہا جاتا تھا) کو فوجی خدمات کے ذریعے اپنی اونچی ذات کا مقام بنانے کا موقع بھی دیا۔

اس میں جنگجوئی کے نظریے کو برہمنوں کی مذہبی پاکیزگی اور سماجی مراعات کے ساتھ ساتھ پنڈتوں والے ہندو مت سے وابستہ کھانے پینے کے سخت اصولوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا[27]۔ اسی دوران، مقامی فوجی منڈی مسلسل سکڑتی اور محدود ہوتی جا رہی تھی کیوں کہ انگریز سپاہیوں کی مدد سے اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے تھے۔ 1818ء تک کمپنی برصغیر میں طاقت کی مکمل اجارہ داری قائم کر چکی تھی اور اس نے اپنے تمام حریفوں کو شکست دے دی تھی جو ہزاروں ہندوستانی فوجیوں کو ملازمت فراہم کر سکتے تھے۔ بنگال آرمی، جو شمالی ہندوستان کے نئے مفتوحہ علاقوں میں ایک بڑی فوجی قوت تھی، نے بھومی ہاروں اور راجپوتوں کی ان از سرِ نو ایجاد شدہ اونچی ذات کی فوجی روایات کو باقاعدہ ادارہ جاتی شکل دینے کے لیے بہترین فریم ورک فراہم کیا۔ اس نے سپاہیوں کو اپنی نئی حاصل شدہ حیثیت کو بہتر اور محفوظ بنانے کا موقع دیا، اور سپاہیوں کی اونچی ذات کے مرتبے کی توثیق و حوصلہ افزائی کر کے، انگریز اپنی فوج پر بہتر کنٹرول پانے اور ان علاقوں کے مقامی زمینداروں کی مسلسل حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہے جہاں سے رنگروٹ بھرتی کیے جاتے تھے۔

اپنی فوج کے اعلیٰ سماجی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے، برطانوی حکام نے ہندوؤں کی خوراک اور مذہبی رسومات کی پابندیوں کی اجازت دی، اور ان کے مذہبی تہواروں کی حوصلہ افزائی کی۔ بعض اوقات تو رجمنٹ کے جھنڈوں (Regimental Colours) کو سپاہیوں کی مذہبی تقریبات میں شامل کیا جاتا اور بتوں کی طرح ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس طرح برطانوی ہندوستان کی فوجی چھاؤنیوں کے اندر "عسکری ہندو مت" اور "بیرکوں والے اسلام" جیسے مخصوص سماجی و مذہبی اطوار اور رسومات نے جنم لیا۔[28]

اگرچہ عالم بیگ مسلمان تھا (اور غالباً سنی تھا)، لیکن اس کے مذہبی عقائد عوامی سطح پر رائج مختلف عقائد کا مجموعہ رہے ہوں گے۔ مسلمان سپاہی مقامی صوفی پیروں کے مزارات پر جایا کرتے تھے، اور سیالکوٹ میں ایسے کئی مزارات موجود تھے جو ہندوستانی فوجیوں کے درمیان سماجی میل جول کے مراکز بن گئے تھے۔

سپاہی ان مزارات پر اہم معاملات پر گفتگو کرنے، گپ شپ لگانے اور حقہ پینے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہندو بھی ان مزارات پر کثرت سے جاتے تھے، جب کہ دوسری طرف مقامی مسلمان بظاہر ہندو تہواروں میں شرکت کرتے تھے۔

عوامی مذہبی عقائد کی اس مشترکہ نوعیت اور بنگال آرمی کے اندر پروان چڑھنے والی منفرد ثقافت کا مطلب یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے درمیان تقسیم کرنے والی چیزوں سے زیادہ جوڑنے والی چیزیں موجود تھیں۔ آخر کار، کمپنی کی فوج میں ملازمت نے سپاہیوں کو ایک اعلیٰ مقام عطا کر دیا تھا، اور اگرچہ عالم بیگ ہندو اکثریت کے درمیان ایک مسلمان تھا، لیکن بنگال آرمی کی رجمنٹوں کے تمام سپاہیوں کو عقیدے سے قطع نظر ایک الگ "ذات" یا برادری تصور کیا جا سکتا تھا۔ بنگال آرمی وہ جگہ بن گئی جہاں ایک منفرد فوجی شناخت کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی گئی بلکہ اسے مستقل طور پر پروان چڑھایا گیا، اور کمپنی کی فوج میں ملازمت سپاہیوں کے لیے اپنی اعلیٰ حیثیت منوانے کا ایک اہم ذریعہ بن گئی۔ عالم بیگ اور اس کے ساتھی صرف "وردی پوش کسان" نہیں تھے۔ اگرچہ وہ چھٹیوں اور بھرتی کے غیر رسمی نیٹ ورکس کے ذریعے اپنے خاندانوں اور دیہاتوں سے مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے، لیکن ان کے مخصوص فوجی اطوار، رتبہ اور مذہبی شناخت وہ چیزیں تھیں جو صرف بنگال آرمی کے اندر ہی قائم رہ سکتی تھیں۔[29]

چھاؤنی کے اندر رہنے سہنے کے انتظامات بھی سپاہیوں کو ایک کمیونٹی کے طور پر الگ کرتے تھے[30]۔ اس وقت کے برطانوی فوجیوں کے برعکس، ہندوستانی سپاہی مشترکہ بیرکوں میں نہیں رہتے تھے اور نہ ہی میس میں کھانا کھاتے تھے، بلکہ وہ اپنے ذاتی کمروں (کوارٹرز) میں رہتے تھے جہاں وہ اپنا کھانا خود تیار کرتے تھے۔ جب عالم بیگ ڈیوٹی سے فارغ ہوتا، تو وہ سیالکوٹ چھاؤنی کے شمال میں واقع اپنی جھونپڑی میں چلا جاتا، جہاں وہ گرم اور غیر آرام دہ وردی اتار کر ڈھیلی ڈھالی دھوتی اور سوتی قمیض پہن لیتا۔ اپنی تنخواہ سے خود بنائی گئی ان جھونپڑیوں میں سپاہی انگریزوں کی مداخلت کے بغیر اپنا فارغ وقت آپس میں باتوں اور حقہ نوشی میں گزار سکتے تھے۔

اگرچہ بہت سے برطانوی افسران اپنے سپاہیوں کے ساتھ گہرے تعلقات پر فخر کرتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ اپنے جوانوں کی ڈیوٹی کے بعد کی زندگی سے بالکل بے خبر تھے۔ امبالہ کے مسکیٹری اسکول میں تعینات لیفٹیننٹ ایڈورڈ مارٹینو نے اعتراف کیا تھا:

"ہم یہ سمجھ کر بہت بڑی غلطی کرتے ہیں کہ چونکہ ہم ہندوستانی فوجیوں کو یورپیوں جیسا لباس پہناتے ہیں، مسلح کرتے ہیں اور ڈرل کرواتے ہیں، اس لیے وہ اپنے احساسات اور خیالات میں ذرہ برابر بھی یورپی بن گئے ہیں۔ میں انھیں روزانہ دو گھنٹے پریڈ گراؤنڈ میں دیکھتا ہوں، لیکن باقی 22 گھنٹوں کے بارے میں میں ان کے بارے میں کیا جانتا ہوں؟ وہ اپنی لائنوں (کمروں) میں بیٹھ کر کیا باتیں کرتے ہیں...؟"[31]

---****---

وہ باتیں جو عالم بیگ اور سیالکوٹ کے سپاہی اپنی لائنوں (کمروں) میں بیٹھ کر کرتے تھے، وہی تھیں جو عام طور پر وہ تمام فوجی کرتے ہیں جنھیں یقین ہو کہ ان کے افسران انھیں نہیں سن رہے: یعنی اپنی ملازمت کے حالات اور شکایات کو زبان دینا۔ درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں "بغاوت" (Mutiny) ایک عام بات تھی، اور یہ ایک طرح سے ملازمت کی ان روایتی شرائط کا حصہ بن چکی تھی جنھیں سپاہی اب بھی برقرار سمجھتے تھے۔ 1757ء کے بعد کی پوری صدی انگریزوں اور ان کے ہندوستانی فوجیوں کے درمیان مسلسل "مفاہمت و مذاکرات کی صدی" تھی، جس کی ایک وجہ مستقل فوج کے بارے میں برطانوی تصورات اور ہندوستانی فوجی خدمات کی شرائط کے درمیان پایا جانے والا تضاد تھا۔

مثال کے طور پر، اکثر یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ اگر ہندو "کالا پانی" (سمندر) پار کریں گے تو ان کی ذات ختم ہو جائے گی[32]۔ اس بظاہر مذہبی ممانعت کے پیچھے دراصل زیادہ عملی

خدشات چھپے تھے: بنگال آرمی کے زیادہ تر سپاہی، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، خشکی سے گھرے ہوئے علاقوں کے کسان گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور انھیں سمندر کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ سمندر میں اپنی جان خطرے میں ڈالنے اور گھر سے دور ملازمت کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ سمندری سفر کا مطلب برسوں اپنے خاندانوں سے دور رہنا تھا جن سے وہ بہت لگاؤ رکھتے تھے۔ جب والدین وفات پاتے، تو بیٹوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ان کی آخری رسومات خود ادا کریں، اور یہ چیز سپاہیوں کو اپنے آبائی وطن کے ساحلوں سے دور جانے سے روکتی تھی۔

مزید برآں، شمالی ہند کے ہندوؤں کے لیے پاکیزگی کی مختلف رسومات، بشمول موت کے وقت گناہوں سے نجات کے لیے گنگا (یا اس کی معاون ندیوں) کا پانی ایک لازمی ضرورت تھی۔ لہٰذا گنگا کے پانی تک رسائی نہ ہونا ایک حقیقی مسئلہ تھا۔ اونچی ذات کے ہندو ایسا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے جو کسی نیچی ذات کے شخص نے چھوا ہو یا تیار کیا ہو؛ وہ برتن بھی سانجھے نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی مشترکہ میس میں کھانا کھا سکتے تھے۔ ایک بحری جہاز پر اونچی ذات کے سپاہیوں کے لیے اپنی روزمرہ کی رسومات اور خوراک کی پاکیزگی برقرار رکھنا (جیسے اپنا کھانا خود پکانا اور تنہا کھانا) تقریباً ناممکن تھا، کیونکہ وہاں راشن کوئی طرح کے لوگ چھوتے تھے۔[33]

بحرِ ہند کے خطے میں ہندوستانیوں کی جہاز رانی اور تجارت کی تاریخ کو دیکھا جائے تو "کالا پانی" کا خوف کوئی اٹل مذہبی ممانعت نہیں تھی، اور یہ یقینی طور پر صرف اونچی ذاتوں تک محدود تھی[34]۔ کئی مواقع پر اونچی ذات کے سپاہیوں نے رضاکارانہ طور پر بیرونِ ملک خدمات انجام دیتے ہوئے ان پابندیوں کو خوشی سے نظر انداز بھی کیا، کیوں کہ اس صورت میں انھیں "بھتہ" (اضافی الاؤنس) دیا جاتا تھا۔ یہ اضافی رقم ان کے خوف کو کم کرنے اور ان کے خاندان کی جانب سے بائیکاٹ کی صورت میں "کفارہ" یا پاکیزگی کی رسومات کے مالی بوجھ کو اٹھانے میں مددگار ثابت ہوتی تھی۔[35]

تاہم، دوسرے مواقع پر سپاہی سمندری سفر سے انکار صرف اس لیے کر دیتے تھے کیوں کہ انھیں اس کا حکم دیا جاتا تھا؛ لیکن اپنی اس مخالفت کو "ذات پات کی ممانعت" کا رنگ دے کر وہ برطانوی فوجی انتظامیہ سے مذاکرات کا ایک مؤثر ہتھیار حاصل کر لیتے تھے، کیوں کہ انگریز مذہبی بنیادوں پر کسی بھی ٹکراؤ سے بچنا چاہتے تھے۔ اس طرح "کالا پانی" کا تصور ایک روایتی ذات پاتی ممانعت کے طور پر جڑ پکڑ گیا، اور انگریزوں کو بھی یقین ہو گیا کہ ان کے ہندو سپاہی توہم پرستی اور ذات پات کے تعصب کے غلام ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ملازمت کی شرائط میں ملنے والی یہ رعایت برطانوی کمان اور ہندوستانی سپاہیوں کے درمیان بار بار ہونے والے تنازعات کی ایک بڑی وجہ بن گئی۔

1824ء میں بنگال آرمی کی کئی رجمنٹیں بیرک پور میں جمع کی گئیں تاکہ انھیں برما کی مہم کے لیے رنگون بھیجا جا سکے[36]۔ خلیجِ بنگال پار کرنے کے تیز رفتار راستے سے بچنے کے لیے (تاکہ کالا پانی کا مسئلہ نہ ہو)، رجمنٹوں کو چٹاگانگ کے راستے پیدل رنگون پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ بدقسمتی سے، انگریز سپاہیوں کا ذاتی سامان (جو ان کے فوجی ساز و سامان کے علاوہ ہر آدمی کا تقریباً 10.5 کلو گرام تھا) لے جانے کے لیے کافی تعداد میں بیل گاڑیاں فراہم کرنے میں ناکام رہے، اور سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یہ سامان خود اٹھائیں یا پیچھے چھوڑ دیں۔ مشتعل سپاہیوں نے اس وقت تک وہاں سے ہلنے سے انکار کر دیا جب تک ان کے سامان کی ترسیل کا انتظام نہیں ہوتا یا ان کا الاؤنس نہیں بڑھایا جاتا تاکہ وہ خود انتظام کر سکیں۔

گنگا جل، مقدس تلسی کے پودے اور قرآن پر حلف اٹھاتے ہوئے، سپاہیوں نے اس احتجاج کا عزم کیا جسے وہ افسران کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی سمجھتے تھے[37]۔ مزید برآں، یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ ایک بار چٹاگانگ پہنچنے کے بعد انھیں بہر صورت جہازوں پر لاد کر رنگون بھیجا جائے گا۔ ایک موقع پر بیرک پور میں سپاہیوں نے اسلحہ اٹھا لیا، اور جب انھوں نے ہتھیار

ڈالنے اور افسران کے احکام ماننے سے انکار کیا، تو انگریزوں نے ان پر توپ خانے سے فائر کھول دیا۔ سینکڑوں سپاہی موقع پر ہلاک ہوئے یا بعد میں انھیں ڈھونڈ کر پھانسی دے دی گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے درمیان اس یکجہتی کی وجہ باہمی دباؤ اور دھمکیاں بھی تھیں۔ ایک مسلمان سپاہی کے مطابق:

"وہ سپاہی جو ہندو تھے انھوں نے جہاز پر جانے سے انکار کیا اور مسلمان سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ کرنل کے پاس گئے تو وہ انھیں مار ڈالیں گے، لہٰذا ہم نہیں گئے بلکہ ان کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔"[38]

سب سے اہم حقیقت یہ تھی کہ انگریزوں نے پیدل مارچ کا منصوبہ بنایا تھا نہ کہ سمندری سفر کا، مگر یہ بات سپاہیوں کے غم وغصے میں دب کر رہ گئی۔

بیرک پور کی بغاوت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال آرمی کے سپاہیوں کے دلوں میں برطانوی فوج کے ہاتھوں نہتے ہونے اور اپنے ہی خلاف توپ خانے کے استعمال کا ایک دائمی خوف بیٹھ گیا۔ 1824ء میں سینکڑوں سپاہیوں کے برطانوی قتلِ عام کو مدنظر رکھا جائے تو یہ خوف غیر منطقی بھی نہیں تھا، لیکن سپاہیوں کے لیے یہ ایک ایسا ڈراؤنا خواب بن گیا جو بار بار ان کے ذہنوں میں ابھرتا تھا۔ بیرک پور کے واقعات کا ایک دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کی نظر میں بنگال آرمی کے اندر بے چینی کی اصل جڑ "اونچی ذات کے ہندوؤں" کا غلبہ قرار پایا۔[39]

ایک ایسی فوج کو برقرار رکھنا جو اونچی ذات کے فخر اور کرائے کے فوجیوں والی ذہنیت رکھتی ہو، اب سلطنت کی خدمت کے لیے درکار ایک جدید اور باصلاحیت فوجی قوت کے تقاضوں کے منافی سمجھا جانے لگا۔[40]

چنانچہ 1834ء میں ایک جنرل آرڈر پاس کیا گیا تاکہ بنگال آرمی میں اونچی ذاتوں کی اجارہ داری کو توڑنے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دیگر گروہوں کو بھی بھرتی کیا جاسکے[41]۔ یہ عام بھرتی (General Enlistment) دراصل ان اونچی ذات کے سپاہیوں کی سماجی برتری کے لیے ایک کھلا چیلنج تھی؛ اگر راجپوتوں، بھومی ہاروں اور برہمنوں کے ساتھ نچلے طبقے کے گروہ بھی بھرتی ہونے لگے، تو کمپنی کی فوج میں ملازمت اب اعلیٰ سماجی حیثیت کی ضمانت نہیں رہنی تھی۔ اس اقدام نے نہ صرف سپاہیوں کی شناخت اور مذہبی پاکیزگی کو نقصان پہنچایا بلکہ ان ضمانت شدہ نیٹ ورکس کو بھی خطرے میں ڈال دیا جنھوں نے ان مخصوص برادریوں کے لیے روزگار کے مواقع محفوظ کر رکھے تھے۔ پھر 1856ء میں ایک نیا "جنرل اینلسٹمنٹ آرڈر" پاس ہوا جس میں واضح طور پر یہ حکم دیا گیا کہ نئے رنگروٹوں کو وہاں جانا پڑے گا جہاں انھیں حکم دیا جائے، بشمول سمندر پار کے علاقے۔[42]

اگرچہ یہ حکم صرف نئے بھرتی ہونے والوں پر لاگو ہوتا تھا، لیکن اس نے تمام سپاہیوں میں تشویش پیدا کر دی، کیوں کہ اس سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ وقت آنے پر ان سب کو بھی ان کی اصل شرائطِ ملازمت کے برعکس کہیں بھی تعینات کیا جا سکتا ہے۔ انڈین پولیس افسر شیخ ہدایت علی نے نوٹ کیا کہ:

"جب پرانے سپاہیوں نے اس آرڈر کے بارے میں سنا تو وہ بہت خوفزدہ اور ناراض ہوئے۔ انھوں نے کہا: "آج تک ان لوگوں کو دوبارہ اپنی ذات میں شامل نہیں کیا گیا جو افغانستان گئے تھے؛ ہمیں کیا معلوم کہ انگریز ہمیں زبردستی کہاں لے جائیں، ہو سکتا ہے اگلا حکم ہمیں لندن جانے کا دے دیا جائے۔" جیسا کہ میں نے اوپر کہا، حکومت کی طرف سے جاری ہونے والا کوئی بھی نیا حکم دیسی فوج میں بہت شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہر رجمنٹ میں اس پر خوب بحث ہوتی ہے۔"[43]

وہ دن اب لد چکے تھے جب انگریزوں کو اپنی سمندر پار مہمات کے لیے سپاہیوں سے منت سماجت کرنی پڑتی تھی یا رضاکار مانگنے پڑتے تھے۔

ترقی (پروموشن) کے معاملے پر بھی روایتی تنازعات موجود تھے جو سپاہیوں کی توجہ کا مرکز رہتے تھے۔ برطانوی مبصرین کا خیال تھا کہ بنگال آرمی میں ترقی کے لیے صرف

سینیارٹی پر انحصار کرنا ایک بڑا مسئلہ ہے، کیوں کہ اس سے نہ تو نوجوان سپاہیوں کو کوئی ترغیب ملتی تھی اور نہ ہی سینئر ہندوستانی افسران اپنی ترقی کے وقت تک اتنے چاق و چوبند رہتے تھے کہ وہ مؤثر ثابت ہو سکیں۔

جب سلیمان نے ایک مسلمان افسر کو نوجوانوں کو ترقی دینے کے نئے برطانوی طریقے کے بارے میں بتایا، تو اس نے ایک بالکل مختلف نقطۂ نظر پیش کیا:

"ہم سب ان کے لیے محسوس کرتے ہیں، اور ہمیں ہمیشہ ایک پرانے سپاہی کو نظر انداز ہوتے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے، بشرطے کہ وہ کسی واضح جرم یا ڈیوٹی میں غفلت کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ دیسی افسران میں ہمیشہ اس کے کچھ رشتہ دار ہوتے ہیں جو اس کے خاندان کو جانتے ہیں، کیوں کہ ہم سب کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو اپنی ہی رجمنٹ میں بھرتی کروائیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جب خاندان کو یہ معلوم ہوگا کہ اب اس سپاہی کی ترقی کی کوئی امید نہیں رہی اور وہ بد دل ہو گیا ہے، تو پورا خاندان اس کا دکھ محسوس کرے گا۔ کسی کو پیچھے چھوڑ کر دوسرے کو آگے بڑھانا پوری رجمنٹ میں پریشانی اور برے جذبات پیدا کرتا ہے، چاہے سب سے بہتر آدمی کو ہی ترقی کیوں نہ دی جائے؛ اور ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا کیوں کہ ضروری نہیں کہ افسروں کا سب سے چہیتا آدمی ہی سب سے بہتر ہو۔ ہمارے بہت سے پرانے یورپی افسران آپ کی طرح سٹاف یا سول ملازمتوں پر چلے جاتے ہیں، اور کمپنیوں کی کمان اکثر بہت نوجوان جونیئر افسروں کے پاس رہ جاتی ہے جو اپنے جوانوں کے کردار کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ ان سپاہیوں کی سفارش کرتے ہیں جنھیں انھوں نے چست اور ذہین پایا ہو، لیکن انھیں سپاہیوں کو پرکھنے کے بہت کم مواقع ملتے ہیں۔ وہ صرف جوان اور ہر وقت آگے رہنے والوں کو دیکھتے ہیں، لیکن وہ اس خاموش طبع پرانے سپاہی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جس نے ہمیشہ اپنی ڈیوٹی نہایت مہارت سے انجام دی لیکن کبھی خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کمانڈنگ افسر بھی ایک رجمنٹ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے، لہٰذا وہ شاذ و نادر ہی جوانوں کو اتنا جانتے ہیں کہ ترقی کے لیے کیے گئے فیصلوں کے انصاف کا فیصلہ کر سکیں۔"[44]

1. Gordon, *Our India Mission*, p. 129.
2. Youngson, *Forty Years*, p. 86.
3. Ibid, 87.
4. R. Kipling, *Kim*, orig. 1901, Norton Critical Edition, New York: Norton, 2002, p. 57.
5. A. Brandreth to G.F. Edmonstone, 10 July 1857, *Government Records, Vol. 7:1—Punjab:MutinyRecords(Correspondence)*,Lahore:Punjab Government Press, 1911, p. 200. Hereafter referred to as *Mutiny Records 7:1*.
6. Denzil Ibbetson (ed.), *Gazetteer of the Sialkot District, 1883–4*, Lahore: Civil and Military Press, 1884, pp. 100–102. See also Rich, *The Mutiny in Sialkot*, p. 14.
7. Rich, *The Mutiny in Sialkot*, pp. 2–7.
8. A.A. Roberts to R. Montgomery, 20 March 1858, *Government Records, Vol. 8 :1—Punjab: Mutiny Records (Reports)*,Lahore: Punjab Government Press, 1911, p. 226. Hereafter referred to as *Mutiny Records 8:1*.
9. *Gazetteer of the Sialkot District*, 104; and G. Dodd, *The History of the Indian Revolt and of the Expeditions to Persia, China, and Japan, 1856–7– 8*, London: W. and R. Chambers, 1859, p. 202.
10. H. Monckton to A.A. Roberts, 2 Feb. 1858, *Mutiny Records 8:1*, p. 278.
11. 'The Indian Revolt', *The Derby Mercury*, 21 Oct. 1857.
12. Ibid. See also H. Monckton to A.A. Roberts, 2 Feb. 1858, *Mutiny Records 8:1*, p. 278.
13. Kaushik Roy (ed.), *1857 Uprising: A Tale of an Indian Warrior (Translated from Durgadas Bandopadhyay's Amar Jivancharit)*, Delhi: Anthem Press, 2008, p. 45.
14. Christopher Wilkinson-Latham, *The Indian Mutiny: Men-at-Arms Series 67*, London: Osprey Publishing, 1977; Ian Knight, *Queen Victoria's Enemies (3): India: Men-at-Arms*

28. Alavi, *The Sepoys and the Company*; and Green, *Islam and the Army in Colonial India*.
29. See also Sabyasachi Dasgupta, *In Defence of Honour and Justice: Sepoy Rebellions in the Nineteenth Century*, New Delhi: Primus Books, 2015.
30. Peers, '"The Habitual Nobility of Being"'.
31. E. Martineau to J. Becher, 5 May 1857, Kaye Papers, H/725(2),1057, APAC.
32. See Crispin Bates, 'Some Thoughts on the Representation and Misrepresentation of the Colonial South Asian Labour Diaspora', *South Asian Studies*, 33 (2017), pp. 7–22.
33. Alavi, *The Sepoys and the Company*, pp. 77–78.
34. Thanks to Crispin Bates, Dilip Menon and Katherine Schofield for suggestions and input on this subject.
35. Peers, '"The Habitual Nobility of Being"', p. 553.
36. The most detailed account of this affair is in P. Bandyopadhay, *Tulsi Leaves and the Ganges Water: The Slogan of the First Sepoy Mutiny at Barrackpore 1824*, Kolkata: K. P. Bagchi and Co., 2003.
37. Peers, '"The Habitual Nobility of Being"', p. 547.
38. Cited in Bandyopadhay, *Tulsi Leaves and the Ganges Water*, p. 101.
39. Peers, '"The Habitual Nobility of Being"', pp. 547–8.
40. Ibid.
41. See David, *The Indian Mutiny*, pp. 23–24. Gurkha battalions had already been established after the Company's war with Nepal in 1814–16, and following the Sikh Wars of 1845–6 and 1848–9, both Sikhs and Muslims from Punjab entered the Bengal Army in increasing numbers.
42. Ibid.
43. 'Shaik Hedayut Ali', pp. 6–7.
44. Ibid., pp. 15–17.

(جاری)

Series 219, London: Osprey Publishing, 1990; Michael Barthorp, *The British Troops in the Indian Mutiny 1857–59: Men-at-Arms Series 268*, London: Osprey Publishing, 1994.
15. A.A. Roberts to R. Montgomery, 20 March 1858, *Mutiny Records 8:1*, p. 226.
16. Roy (ed.), *1857 Uprising*, p. 43.
17. Gimlette, *A Postscript to the Records of the Indian Mutiny*, pp. 157–159.
18. Dirk H. A. Kolff, *Naukar, Rajput and Sepoy: The Ethno-history of the Military Labour Market in Hindustan, 1450–1850*, Cambridge: Cambridge University Press, 1990; Seema Alavi, *The Sepoys and the Company: Tradition and Transition in Northern India 1770–1830*, Delhi: Oxford University Press, 1995.
19. W.H. Sleeman, *On the Spirit of Military Discipline in our Native Indian Army*, Calcutta: Bishop's College Press, 1841, pp. 22–23.
20. Ibid., p. 71.
21. Ibid., pp. 5–6.
22. Ibid., p. 40.
23. For a recent overview, see Jon Wilson, *India Conquered: Britain's Raj and the Chaos of Empire*, London: Simon & Schuster, 2016.
24. Kolff, *Naukar, Rajput and Sepoy*.
25. Alavi, *The Sepoys and the Company*; and Douglas M. Peers, '"The Habitual Nobility of Being": British Officers and the Social Construction of the Bengal Army in the Early Nineteenth Century', *Modern Asian Studies*, 25, 3 (Jul., 1991), pp. 545–569, 551.
26. Gavin Rand and Kim A. Wagner, '"Recruiting the 'Martial Races": Identities and Military Service in Colonial India', *Patterns of Prejudice*,
46, 3–4 (2012), pp. 232–54.
27. Muslim recruits from places such as Rohilkhand, on the other hand, aspired towards the Mughal ideal of the warrior gentleman, and consequently came to dominate cavalry recruitment, see Alavi, *The Sepoys and the Company*.

حفظانِ صحت

کیا کاسمیٹکس واقعی نقصان دہ ہیں؟

خوبصورتی، ہارمونز اور جلد کی صحت کے درمیان چھپی حقیقت — ایک ماہرِ امراضِ جلد کا نقطۂ نظر

ڈاکٹر ام فرح۔ ایم. ڈی (ڈرمیٹولوجی)

خوبصورتی کا حصول اور اپنی ظاہری شخصیت کو پرکشش بنانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ قدیم زمانے میں جڑی بوٹیوں اور قدرتی روغن سے شروع ہونے والا یہ سفر آج ایک ایسی عالمی صنعت کی شکل اختیار کر چکا ہے جہاں ہر روز ہزاروں نئی مصنوعات بازار میں متعارف کرائی جاتی ہیں۔ چاہے وہ صبح کا فیس واش ہو، دھوپ سے بچاؤ کی سن اسکرین ہو یا شام کی کسی تقریب کے لیے بھاری میک اپ؛ کاسمیٹکس ہماری زندگی کا اٹوٹ انگ بن چکے ہیں۔ لیکن اس چمک دمک کے پیچھے ایک خاموش سوال ہمیشہ سر اٹھاتا ہے: ”کیا یہ کیمیکلز ہمیں بیمار کر رہے ہیں؟“

ایک ماہرِ جلد (Dermatologist) کی حیثیت سے میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگ یا تو ان مصنوعات کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوف زدہ ہیں یا پھر بالکل لاپرواہ۔ حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کہیں چھپی ہوئی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس غلط فہمی کو دور کرنا ہوگا کہ ”کیمیکل“ ہمیشہ کوئی بری چیز ہوتی ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کائنات کی ہر شے، یہاں تک کہ وہ پانی جو ہم پیتے ہیں اور وہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں، کیمیکلز پر مشتمل ہے۔ جب ہم کسی کریم کی بوتل پر لکھے طویل اور مشکل نام پڑھتے ہیں، تو ہمیں لگتا ہے کہ یہ زہر ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کیمیکل کا ہونا نہیں بلکہ اس کی مقدار (Dosage) اور اس کا استعمال ہے۔

ایک معیاری کمپنی جب کوئی پروڈکٹ تیار کرتی ہے، تو وہ ان اجزاء کو ایک خاص اور محفوظ تناسب میں رکھتی ہے۔ تاہم، جب ہم ایک ہی وقت میں دس مختلف قسم کی مصنوعات استعمال کرتے ہیں، تو ان اجزا کی مجموعی مقدار بڑھ جاتی ہے، جو جلد کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

ہارمونل نظام پر اثرات: افسانہ یا حقیقت؟

حالیہ برسوں میں ایک اصطلاح بہت مشہور ہوئی ہے: اینڈوکرائن ڈسرپٹرز (Endocrine Disruptors)۔ یہ وہ مادے ہیں جو ہمارے جسم کے ہارمونز (جو میٹابولزم، نشوونما اور تولیدی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں) کی نقل کر سکتے ہیں یا ان کے کام میں مداخلت کر سکتے ہیں۔

تحقیقات بتاتی ہیں کہ کچھ کیمیکلز جیسے ”پیرابنز“ اور ”تھالیٹس“ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسانی ہارمون ”ایسٹروجن“ کی مشابہت اختیار کر لیں۔ لیکن یہاں ایک بڑا سوال موجود ہے۔ لیبارٹری میں کسی چوہے کو ان کیمیکلز کی بھاری مقدار کھلانا ایک الگ بات ہے، اور ایک انسان کا اپنی جلد پر تھوڑی سی کریم لگانا بالکل الگ۔ انسانی جلد ایک بہت ہی مضبوط ڈھال ہے جو ہر چیز کو خون میں جذب نہیں ہونے دیتی۔ لہٰذا، عام استعمال میں ان مصنوعات سے ہارمونز کے بگڑنے کا خطرہ بہت ہی کم ہوتا ہے، لیکن حاملہ خواتین اور چھوٹے بچوں کے معاملے میں احتیاط کی ضرورت بہرحال رہتی ہے۔

آئیے اب ہم ان اجزاء پر بات کرتے ہیں جو اکثر بحث کا

موضوع بنتے ہیں:

1. **پیرابنز (Parabens):** یہ وہ اجزا ہیں جو کاسمیٹکس کو جراثیم اور کائی سے بچاتے ہیں۔ ان کے بغیر آپ کی کریم چند ہی دنوں میں سڑ سکتی ہے۔ اگرچہ ان پر بہت تنقید ہوتی ہے، لیکن سائنسی ماہرین کے مطابق ان کی وہ مقدار جو کاسمیٹکس میں استعمال ہوتی ہے، عام طور پر محفوظ ہے۔

2. **تھالیٹس (Phthalates):** یہ عام طور پر خوشبوؤں اور نیل پالش میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پلاسٹک کو لچکدار بنانے اور خوشبو کو دیر پا رکھنے کے کام آتے ہیں۔ کچھ ماہرین ان کے حوالے سے زیادہ فکر مند رہتے ہیں، اسی لیے اب بازار میں "Phthalate-free" مصنوعات کی مانگ بڑھ رہی ہے۔

3. **خوشبو (Fragrance):** یہ کاسمیٹکس کا سب سے خطرناک پہلو ثابت ہو سکتا ہے۔ خوشبو کے پردے میں کمپنیاں سینکڑوں کیمیکلز چھپا سکتی ہیں۔ یہ الرجی، خارش، چھینکوں اور یہاں تک کہ سانس کے مسائل کی سب سے بڑی وجہ بنتی ہے۔

4. **ہیوی میٹلز (Heavy Metals):** کچھ سستی لپ اسٹکس اور آئی لائنرز میں سیسہ (Lead) یا آرسینک کی معمولی مقدار پائی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ مقدار بہت کم ہوتی ہے، لیکن چونکہ لپ اسٹک پیٹ میں جانے کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے ہمیشہ مستند برانڈز کا انتخاب ضروری ہے۔

لیئرنگ کا رجحان: آج کل 10 سٹیپ اسکن کیئر روٹین کا بڑا چرچا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنے زیادہ سیرم اور کریمیں لگائیں گے، جلد اتنی ہی جوان رہے گی۔ یہ ایک خطرناک رجحان ہے۔ تصور کریں کہ آپ کی جلد ایک اسفنج کی طرح ہے، اس کی جذب کرنے کی ایک حد ہے۔ جب آپ کلینزر، ٹونر، تین قسم کے سیرم، موئسچرائزر، آئی کریم اور سن اسکرین کی تہیں چڑھاتے ہیں، تو جلد کا قدرتی دفاعی نظام (Skin Barrier) کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں:

- **ایکنی (Cosmetic Acne):** مسام بند ہونے سے دانے نکلنا۔
- **رنگت کا غیر یکساں ہونا:** مختلف کیمیکلز کا آپس میں ری ایکشن ہو کر جلد پر دھبے ڈال دینا۔
- **حساسیت:** جلد کا اتنا نازک ہو جانا کہ عام پانی لگنے پر بھی جلن ہو۔

کون سی مصنوعات زیادہ حساس ہیں؟

ہمیں ان چیزوں پر زیادہ توجہ دینی چاہیے جو ہماری جلد پر **زیادہ دیر** رہتی ہیں۔ مثلاً:

- **فاؤنڈیشن اور بی بی کریم:** یہ سارا دن چہرے پر رہتی ہیں اور مساموں میں جذب ہوتی ہیں۔
- **ہیئر ڈائی:** بالوں کے رنگوں میں موجود پی پی ڈی (PPD) شدید الرجی پیدا کر سکتا ہے۔
- **لانگ لاسٹنگ لپ اسٹک:** یہ جلد کو خشک کر سکتی ہیں اور ان کے اجزا معدے تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس، فیس واش یا شیمپو جلد پر صرف چند سیکنڈ کے لیے رہتے ہیں، اس لیے ان کا نقصان دہ اثر کم ہوتا ہے۔

محفوظ رہنے کا راستہ: ایک ماہرِ جلد کے طور پر میں اپنے قارئین کو درج ذیل مشورے دوں گی:

1. **سادگی اپنائیں (Minimalism):** اپنی روٹین کو سادہ رکھیں۔ معیاری پروڈکٹس کا استعمال کریں۔

2. **لیبل پڑھنے کی عادت ڈالیں:** اگر آپ کی جلد حساس ہے تو ایسی مصنوعات تلاش کریں جن پر "Fragrance-free" یا "Hypoallergenic" لکھا ہو۔ یاد رکھیں "Unscented" اور "Fragrance-free" میں فرق ہوتا ہے؛ کبھی کبھی بو چھپانے کے لیے بھی کیمیکلز ڈالے جاتے ہیں۔

3. **پیچ ٹیسٹ کی اہمیت:** کوئی بھی مہنگی پروڈکٹ خریدنے کے بعد اسے براہِ راست چہرے پر نہ لگائیں۔ پہلے اپنی

کلائی یا کان کے پیچھے تھوڑی مقدار لگائیں اور 24 گھنٹے انتظار کریں۔ اگر سرخی یا خارش نہ ہو، تبھی اسے استعمال کریں۔

.4سن اسکرین پر سمجھوتہ نہ کریں : کاسمیٹک کیمیکلز سے ہونے والا نقصان سورج کی شعاعوں (UV Rays) سے ہونے والے نقصان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سورج قبل از وقت بڑھاپے اور کینسر کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے روزانہ سن اسکرین لگائیں۔

.5صفائی نصف ایمان اور پوری صحت ہے : کبھی بھی میک اپ کے ساتھ نہ سوئیں۔ رات کے وقت ہماری جلد خود کو مرمت (Repair) کرتی ہے۔ اگر مسام بند ہوں گے تو جلد بوڑھی اور بے جان ہو جائے گی۔

کیا "نیچرل" ہمیشہ بہتر ہے؟ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ زہریلی پٹی (Poison Ivy) بھی قدرتی ہے، لیکن وہ جلد کو جلا دیتی ہے۔ اسی طرح لیموں کا رس یا میٹھا سوڈا براہِ راست چہرے پر لگانا جلد کو مستقل نقصان پہنچا سکتا ہے۔ "نیچرل" کا مطلب ہمیشہ "محفوظ" نہیں ہوتا۔ سائنسی طور پر تیار کردہ مصنوعات زیادہ قابلِ بھروسا ہوتی ہیں کیوں کہ ان کی ٹیسٹنگ لیبارٹریز میں ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کاسمیٹکس ہماری زندگی کو خوبصورت بناتے ہیں اور ان سے مکمل دوری نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی ضروری۔ اصل ضرورت شعور اور اعتدال کی ہے۔ اگر آپ معیاری مصنوعات کا انتخاب کرتے ہیں، اپنی جلد کی ضرورت کو سمجھتے ہیں اور اسے کیمیکلز کے بوجھ تلے نہیں دباتے، تو کاسمیٹکس آپ کے دوست ہیں، دشمن نہیں۔

اگر آپ اپنی جلد کے حوالے سے کسی خاص مسئلے کا شکار ہیں یا اپنی اسکن کیئر روٹین ترتیب دینا چاہتے ہیں، تو کسی مستند ماہرِ جلد سے رجوع کریں۔ آپ کی جلد آپ کے جسم کا سب سے بڑا عضو ہے، اس کی قدر کریں! □ □ □

(ص:34 کا بقیہ)....اس کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت نے بڑی تعداد میں نوجوانوں کو سوک والنٹیئر کے طور پر روزگار فراہم کیا ہے، جس سے نہ صرف بے روزگاری میں کمی آئی ہے بلکہ سماجی خدمات کے دائرے کو بھی وسعت ملی ہے۔ یہ نوجوان مختلف عوامی خدمات میں حصہ لے کر نہ صرف اپنی معاشی ضروریات پوری کر رہے ہیں بلکہ سماج کی بہتری میں بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔

ان تمام اسکیموں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اقدامات ایک جامع فلاحی نظام کی تشکیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جس میں معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ اسکیمیں نہ صرف موجودہ مسائل کا حل پیش کرتی ہیں بلکہ مستقبل کے لیے ایک مضبوط بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں۔

مزید برآں، ان اسکیموں نے ریاست میں عوام اور حکومت کے درمیان اعتماد کو بھی مضبوط کیا ہے۔ جب عوام کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت ان کی فلاح کے لیے سنجیدہ ہے اور ان کے مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات کر رہی ہے، تو وہ بھی ریاستی ترقی میں بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ یہی باہمی اعتماد کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔

تعلیم، صحت، روزگار، خوراک اور رہائش جیسے بنیادی شعبوں میں ان اسکیموں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ریاستی حکومت نے ایک متوازن اور ہمہ جہت ترقیاتی ماڈل اپنایا ہے۔ اگر ان منصوبوں کو اسی تسلسل کے ساتھ جاری رکھا جائے اور ان میں مزید بہتری لائی جائے تو مغربی بنگال نہ صرف ملک کے دیگر ریاستوں کے لیے ایک مثال بن سکتا ہے بلکہ ایک مثالی فلاحی ریاست کے طور پر ابھر سکتا ہے۔

ان فلاحی اسکیموں نے لاکھوں افراد کی زندگیوں میں مثبت تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ یہ اسکیمیں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں مددگار ثابت ہو رہی ہیں جہاں مساوات، انصاف اور ترقی کے مواقع سب کے لیے یکساں ہوں۔ یہی وہ وژن ہے جو کسی بھی ترقی یافتہ اور مہذب معاشرے کی پہچان ہوتا ہے۔ □□□

چراغ خانہ

نیک لڑکی

منقول

اس کہانی کی راویہ ایک خاتون ہیں جو کہ قصیم شہر میں غسل میت ڈیپارٹمنٹ کی رکن ہیں، وہ کہتی ہیں:

ایک دن کسی مدرسے کی مڈل لیول کی ایک طالبہ کا انتقال ہو گیا اس بچی کی عمر ابھی تھوڑی ہی تھی اور وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی، اس کا نام نوف تھا، جب اس کی وفات ہو گئی تو اس ماں اور بہنیں اسے میرے پاس لائیں تاکہ میں اسے غسل دوں اور کفن پہناؤں۔ شدت غم سے اس کی ماں کا رو رو کر برا حال تھا، وہ اپنی بیٹی سے چمٹی ہوئی تھی اور اس سے جدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھی۔

میں نے بڑی مشکل سے اسے علیحدہ کیا اور غسل خانے کا دروازہ بند کر دیا تاکہ اسے اچھے طریقے سے غسل دے سکوں۔ میں نے جب اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میں ششدر رہ گئی۔ اللہ کی قسم! اس کے چہرے سے نور کی شعاعیں اٹھ رہی تھیں، میں اس کے نورانی چہرے کی تابانی دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ میرے پاس غسل کے لیے جو بھی لڑکیاں لائی جاتی تھیں ان میں سے کچھ نارمل کیفیت میں ہوتیں، کسی کا چہرہ مرجھایا ہوا ہوتا تھا اور بعض سے ناگوار بو محسوس ہوتی تھی مگر اس لڑکی کا معاملہ بالکل الٹ تھا، اس کا چہرہ تو روشنی سے دمک رہا تھا۔

دوران غسل میں نے دیکھا کہ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی بھی اٹھی ہوئی ہے، جیسے تشہد میں اٹھائی جاتی ہے۔ میں نے سوچا ہو نہ ہو یہ ایک پاکیزہ سیرت لڑکی ہے جسے اللہ نے اس کے کسی عمل صالح کی وجہ سے عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ مجھے اس کی خوش قسمتی پر رشک آیا، میں نے اس کی ماں اور بہنوں کو خوشی کی مٹھاس میں ڈوبی قدرے بلند آواز میں بلایا اور دروازہ کھول دیا۔ اس کی ماں اور بہنیں دوڑ کر غسل خانے میں آئیں، میں نے اس کی ماں کو مبارکباد دی اور ان تمام حیرت انگیز باتوں سے اسے مطلع کر دیا جن سے مجھے دوران غسل واسطہ پڑا تھا۔ اس کی ماں اپنے تمام مادرانہ جذبات نچھاور کرتے ہوئے اس کی پیشانی کو چومتی رہی، اس نے بالخصوص اپنی بیٹی کی نماز کی پابندی کا تذکرہ کیا۔

دو دن بعد اس کی ماں نے مجھے بلایا اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا، میں آپ کو اپنی بیٹی نوف کے کپڑے اور اس کی پرسنل چیزیں بھجواوں گی، چونکہ آپ غریبوں اور مسکینوں کے گھروں کو بھی جانتی ہیں اس لیے آپ انھیں مستحقین میں تقسیم کر دیجیے گا۔ میں نے کہا: مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ اس کی تمام چیزیں مجھے بھجوا دیجیے، میں انھیں میں تقسیم کر دوں گی۔

جب اس کی اشیا میرے پاس پہنچیں تو وہ چار کارٹونز میں پیک تھیں، میں نے پہلا کارٹن کھولا تو اس میں اس کے نقاب اور عبایا تھے، وہ سب کے سب لمبے چوڑے اور ڈھیلے ڈھالے تھے، نہ وہ تنگ تھے نہ باریک اور نہ چھوٹے۔ دوسرا کارٹن کھولا تو اس میں اس کے کپڑے تھے، وہ سب بھی پورے بازوؤں والے ڈھیلے ڈھالے اور مکمل جسم کو ڈھانپنے والے۔ سارے لباس انتہائی سادہ تھے، وہ شوخ اور بھڑکیلے نہیں بلکہ جاذب نظر اور بہترین لباس تھے، ان کا فیبرک باریک نہیں تھا کہ جس سے جسم نظر آئے۔ میں جوں جوں کارٹن کھول رہی تھی، میری حیرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک کارٹن میں اس کا اسکول کا سامان اور اس کے قلم تھے۔ میں نے ڈبہ کھولا تو اس میں سے ایک مسواک بھی نکلی۔ میں سمجھ گئی کہ اپنی زندگی میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنانے والی رہی ہے۔ اس کے سامان میں ایک ڈائری بھی تھی جس کے اکثر اوراق خالی تھے۔

راویہ کہتی ہیں: کارٹن بند کرنے کے بعد میرے دل اور پھر ایمان کی کیفیت میں اچانک ایک تغیر برپا ہو گیا اور میں نے زندگی کے اختتام پر نیکی اور دنیاداری میں..... (باقی ص:52 پر)

نقد ونظر

کتاب نصاب علم تخریج حدیث

مولانا عمران رضا عطاری مدنی بنارسی کی کتاب کا تاثراتی جائزہ

مولانا راشد علی عطاری مدنی

"حدیثِ نبوی" شریعت اسلامیہ کا دوسرا بنیادی مأخذ ہے، اور قرآن کریم کے بعد دین کی تفہیم وتشریح کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، افعال اور تقریرات کو محفوظ رکھنا اور ان کی صحت کی تحقیق کرنا امت مسلمہ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک محدثین کرام نے احادیث کی حفاظت، تدوین اور تحقیق میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخ انسانی میں بے مثال ہیں۔ علم تخریج حدیث اسی عظیم علمی روایت کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ تخریج کا مطلب محض کسی حدیث کا حوالہ تلاش کر لینا نہیں، بلکہ یہ ایک جامع علمی عمل ہے جس میں حدیث کو اس کے اصل مصادر تک پہنچانا، اس کی مختلف روایات کو جمع کرنا، اس کی اسناد کا تجزیہ کرنا، اور اس کی صحت وضعف کے بارے میں محدثین کے اقوال کو یکجا کرنا شامل ہے۔ یہ فن علمِ حدیث کی بنیاد ہے، اور اس کے بغیر کوئی محقق، مفتی، مفسر یا فقیہ احادیث سے صحیح استدلال نہیں کر سکتا۔ آج کے دور میں

جب معلومات کی فراوانی ہے اور ہر طرف احادیث کے حوالے ملتے ہیں، لیکن ان کی صحت کی جانچ پڑتال کی صلاحیت عام مسلمانوں میں کم ہوتی جا رہی ہے، ایسے میں علم تخریج حدیث کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ سوشل میڈیا، واٹس ایپ، اور مختلف ویب سائٹس پر بے شمار احادیث گردش کر رہی ہیں جن میں سے بہت سی موضوع، ضعیف یا بے اصل ہوتی ہیں۔ ایسے ماحول میں تخریج حدیث کا علم رکھنے والا شخص ہی حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے اور امت کو گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب "نصابِ علم تخریجِ حدیث" اس اہم فن کی تعلیم کے لیے انتہائی قیمتی اور جامع کاوش ہے۔ اس کے مؤلف "مولانا عمران رضا عطاری مدنی" ہیں۔ موصوف "المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی، انڈیا)" میں تحریری خدمات میں مصروف اور "مجلس تحریر ولائبریری" کے ہندسطح کے ذمہ دار ہیں۔ مؤلف محترم نے اس کتاب میں تخریج حدیث کے اہم پہلوؤں کو نہایت منظم اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب عملی تربیت کا بہترین نصاب ہے، طالب علم کو قدم بہ قدم اس فن میں مہارت حاصل کرنے کی رہنمائی فراہم کرتی ہے، فقیر راقم الحروف کتاب کی گوناگوں خصوصیات کو ذیل میں چند جملوں میں بیان کرنے کی سعی کرتا ہے:

(1) کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کی منظم ترتیب اور جامعیت ہے۔ مؤلف نے سب سے پہلے تخریج کے بنیادی معانی اور مراحل کو واضح کیا ہے، پھر اس کے بارہ فوائد بیان کیے ہیں جو طالب علم کو اس فن کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہیں۔ تخریج حدیث کی تاریخی روایت کو اجاگر کرتے ہوئے اولین کتب اور اصول تخریج پر لکھی گئی اہم تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، جو طالب علم کو اس فن کی تاریخی گہرائی اور وسعت کا اندازہ دیتا ہے۔

(2) مصادر تخریج کی تفصیلی تقسیم (مصادر اصلیہ اور مصادر فرعیہ) کتاب کا ایک اہم باب ہے جو طالب علم کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ کون سے مصادر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے ثانوی۔ یہ تفریق علمی تحقیق میں نہایت ضروری ہے۔

(3) تخریج کی مختلف اقسام (مطول، متوسط، مختصر) کی تفصیل اس کتاب کا ایک منفرد پہلو ہے۔ مؤلف نے واضح کیا ہے کہ ہر موقع اور ضرورت کے مطابق تخریج کا انداز مختلف ہو سکتا ہے۔ تحقیقی مقالات میں تخریج مطول کی ضرورت ہوتی ہے،

جب کہ عام کتابوں میں متوسط یا مختصر تخریج کافی ہو سکتی ہے۔ یہ عملی رہنمائی طلباء کے لیے بے حد مفید ہے۔

(4) تخریج کے چھ طریقوں کی تفصیل کتاب کا مرکزی حصہ ہے۔ سند و متن کے اعتبار سے تخریج، راوی اعلیٰ کے ذریعے تخریج، موضوع کے ذریعے تخریج، غریب الفاظ کے ذریعے تخریج، مطلع حدیث کے ذریعے تخریج، اور وصف حدیث کے ذریعے تخریج۔ یہ چھ طریقے مختلف حالات میں کام آتے ہیں۔ مؤلف نے ہر طریقے کو علیحدہ علیحدہ واضح کیا ہے اور ہر طریقے سے متعلق اہم مصادر کا تعارف پیش کیا ہے۔

(5) عملی احتیاطوں اور عام غلطیوں کا ذکر اس کتاب کو مزید اہم بنا دیتا ہے۔ مؤلف نے واضح کیا ہے کہ تخریج کرتے وقت کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کون سی غلطیاں عام طور پر سرزد ہو جاتی ہیں۔ یہ عملی رہنمائی طلبہ کو بہت سی غلطیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

(6) جدید دور کے الیکٹرانک ذرائع اور سافٹ ویئرز کا تعارف کتاب کو دور حاضر کی ضروریات سے ہم آہنگ بناتا ہے۔ مکتبہ شاملہ، جامع خادم الحرمین، جوامع الکلم، جامع الکتب التسعہ، اور التراث جیسے اہم الیکٹرانک وسائل کا تعارف اس بات کی دلیل ہے کہ مؤلف نے روایتی اور جدید دونوں طریقوں کو یکجا کر دیا ہے۔

مؤلف محترم کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ایک انتہائی اہم لیکن نسبتاً مشکل موضوع کو اردو زبان میں اس قدر سہل اور قابل فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ مؤلف کی علمی دیانت، محنت، اور فن کی گہری سمجھ اس کتاب کے ہر صفحے سے عیاں ہے۔ یہ کتاب طلبہ و علما سبھی کے لیے یکساں مفید ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مؤلف محترم کی اس کاوش کو قبول فرمائے، ان کی شاعتِ علم کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو امت مسلمہ کے لیے نفع بخش بنائے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس علمی خدمت کا بہترین اجر عطا فرمائے اور انھیں مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

■■

(ص:50 کا بقیہ)– کسی ایک انجام اور راستے کو اپنانے کا عزم اور جذبہ محسوس کیا۔

میں جلدی سے اپنی کپڑوں والی الماری کی طرف گئی۔ میں نے اسے کھولا اور وہ تمام کپڑے نکال کر باہر پھینک دیے جو تنگ، یا باریک تھے یا چھوٹے بازوؤں والے تھے۔ میں نے اسی لمحے اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ میں آج کے بعد حیا و حجاب قائم رکھنے والے کپڑے پہنا کروں گی جیسے نوف پہنا کرتی تھی۔

میں نے اس کی ڈائری کو اپنے پاس رکھ لیا، کہ میں اس میں اپنے لیکچرز لکھا کروں گی جو مرحومہ نوف کے لیے صدقہ جاریہ بن جائیں گے۔ وہ خاتون کہتی ہیں: میں نے ام نوف کو فون کیا اور اسے اس ماڈرن ازم کے دور میں بھی اپنی بیٹی کو مکمل اسلامی لباس پہنانے پر مبارکباد دی۔ اس کی ماں نے کہا: اس کے اندر ایک اور بھی ممتاز خوبی تھی اس کا دل ہر وقت نماز سے لگا رہتا تھا۔ جیسے ہی موذن اذان دیتا وہ تمام کام کاج چھوڑ کر فوراً اپنے رب کے سامنے حاضر ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نوف اور ان تمام عورتوں پر رحم فرمائے جنھوں نے زمانے کے چلن کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے رب کی خوش نودی کی خاطر اسلامی تعلیمات کے مطابق لباس پہنا اور اللہ کے احکام اور سنت کا دامن تھام کر رکھا۔ اس واقعے میں میری امت کی ان ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان ہے جو زمانے کو خوش کرنے کی بجائے اپنے پروردگار کو خوش کرنے کی فکر میں رہتی ہیں اور شریعت کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتی ہیں کہ رب تعالیٰ کل قیامت کے دن انھیں سرخرو کرے گا۔ ان شاء اللہ!!!

اور جو مسلم خواتین ماڈرن طبقے اور رجحانات کی مصنوعی چکاچوند سے متاثر ہو کر نیم عریاں اور سخت چست لباس زیب تن کر کے معاشرے کی نظروں میں تہذیب یافتہ بننے کی فکر میں اپنے رب کو ناراض کرتی ہیں ان کے لیے پیغام ہے... کہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں اور احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیں۔

ایک نہ ایک دن بالآخر اپنے رب کے سامنے پیش ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اسی میں دنیوی و اخروی کامیابی ہے۔ آمین ثم آمین۔■■■

سفر آخرت

علامہ مفتی امان الرب رضوی کا سانحہ ارتحال

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، مہتمم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ ضلع مئو

جماعت اہل سنت کے زبردست عالم دین اور خطیب حضرت علامہ مفتی امان الرب رضوی 17 اپریل 2026ء/28 شوال المکرم 1447 شب جمعہ اس دنیاے فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

مرحوم ایک زبردست عالم دین اور شان دار خطیب تھے. علم کلام آپ کا خاص موضوع تھا، ان کی ایک کتاب "کلک رضا" بڑی اچھی اور مفید کتاب ہے۔ آپ اس کتاب کو لے کر میرے پاس تشریف لائے، نظر ثانی کرائیاور اس پر تقریظ بھی لکھوائی جو شائع ہوچکی ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل پر ایک عربی کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا، مزید کتابوں کا علم نہیں۔

موصوف، ناچیز نعمانی قادری سے عقیدت و محبت کا معاملہ رکھتے تھے، اور قریب پاس میں کہیں آنا ہو تو ملاقات کی کوشش بھی کرتے تھے۔ غالبًا شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا قدس سرہ سے شرف بیعت رکھتے تھے، اور انھیں "قطب عالم" سے یاد فرماتے تھے۔

آپ نے کئی مدارس میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ دارالعلوم گلشن بغداد ہزاری باغ جھارکھنڈ میں بھی درس دیا، عمر کے آخری آیام میں دارالعلوم مینائیہ، کرنیل گنج گونڈہ میں گزارے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔

مولاے قدیر انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، درجات بلند کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر کی دولت سے ہمکنار فرمائے۔

سوگوار: محمد عبدالمبین نعمانی قادری

خادم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ ضلع مئو (یوپی)

7 ذی قعدہ 1447ھ/25 اپریل 2026

چمنستان زہرا کا ایک اور پھول نذر خزاں ہوگیا

ڈاکٹر یعقوب اختر فیضی، سکریٹری ادارہ شرعیہ، اورنگ آباد، بہار

ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ "آستانہ چشتی چمن" بہار شریف کے سجادہ نشیں، شہرہ آفاق شخصیت، خطیب الاسلام، رئیس التحریر حضرت علامہ سید رکن الدین اصدق علیہ الرحمہ کو ہم نے سپرد خاک کیا تھا۔ اس الم ناک، اندوہ ناک، وحشت ناک غم سے ابھر بھی نہ پائے تھے کہ ہندوستان کا بغداد کہا جانے والا اا مجھر شریف اورنگ آباد بہار کے چودھویں سجادہ نشیں نمونۂ اسلاف پیر طریقت گل گلزار قادریت، عالم تصوف ایک بلند پایہ صوفی، راہِ سلوک پر گامزن رنے والے شیخ طریقت، ہزاروں اہل ارادت کے پیر و مرشد، الحاج سید شاہ شرف الدین احمد نیّر قادری علیہ الرحمہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

حضرت کا وصال علمی اور روحانی دنیا کے لیے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔ خصوصا بہار اور جھارکھنڈ کی سرزمین جو ہمیشہ سے علم و تصوف کی آماجگاہ رہی ہے، ان کی رحلت سے سوگوار ہوگئی۔ ان کے انتقال سے بہار کی روحانی فضا میں ایک

عظیم خلا پیدا ہو گیا جسے مدتوں پُر کرنا آسان نہ ہو گا۔

جان کر من جملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت نیّر میاں قادری ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی خدمتِ خلق اور اشاعتِ دین متین کے لیے وقف تھی، وہ یادگارِ اسلاف اور امین روایت تھے۔ ان کی شخصیت میں قدیم خانقاہی روایات کی شائستگی اور روحانیت کی جھلک نمایاں تھی، اور کیوں نہ ہو! وہ حضور سیدنا پاک کی اولاد میں سے تھے۔ حضور سیدنا پاک سید الہند سیدنا امیر محمد القادری بغدادی ثم امجھری علیہ الرحمہ نجیب الطرفین سید تھے۔ شجرۂ نسب بارہویں پشت میں جاکر غوث اعظم دستگیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ حضور سیدنا پاک کو 846ھ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ ہندوستان کے اس خطے کا رخ کریں اور مظلوموں کی داد رسی، کلمۂ حق کی سر بلندی اور اشاعتِ دینِ متین کریں۔ چناں چہ حکم پاکر ہندوستان پہنچے اور مختلف علاقوں کو فیض یاب کرتے ہوئے سرزمین امجھر شریف، ضلع اورنگ آباد بہار میں سکونت اختیار فرمائی۔

حضرت نیّر میاں قادری اسی خانوادۂ سیدنا پاک کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے اپنے دور سجادگی میں خانقاہ و درگاہ سیدنا پاک کی عظمت کو بحال کرنے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک روشن باب بن کر محفوظ ہیں۔

خانقاہ کی تعمیر و توسیع اور نظام کی بہتری کے لیے نہایت موثر قدم اٹھایا، اپنے بزرگوں کی علمی و روحانی وراثت کو وقار کے ساتھ آگے بڑھایا اور اپنی خدمات سے اس میں مزید تابندگی عطا کی۔ خانقاہ کی تعمیر نو کروائی، دور دراز سے آنے والے زائرین کی سہولت کے لیے ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا۔ بچیوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بنام کلیۃ البنات المحمدیہ قائم کیا، غریب و نادار افراد کے علاج و معالجہ کے لیے ایک عظیم الشان اسپتال بنوایا، جس کا نام اپنے والد بزرگوار پیر طریقت سید جلال الدین احمد قادری عرف دھنو میاں کے نام پر "دھنو پیا ہاسپیٹل" رکھا۔ عام لوگوں کی سہولت کے لیے ایک کمیونٹی ہال بھی تعمیر کرایا جو مختلف سماجی اور فلاحی کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مدرسہ امیر محمدیہ قادریہ جو وقت کی ستم ظریفی کا شکار تھا، اسے آپ نے از سرِ نو زندہ کیا۔ تعلیمی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری اپنے بھائی سید جمال الدین عابد قادری کے حوالے کی۔ آج وہ فروغ تعلیم دین اور اساعت سنیت کے حوالے سے نہایت موثر کردار ادا کر رہا ہے۔ الغرض پورے 26 سالہ عہد سجادگی میں آپ کی جانب سے انجام پانے والے، خانقاہی، تعمیراتی، رفاہی اور وسعتِ حلقۂ بیعت و ارادت جیسے عظیم کاموں کی ایک طویل فہرست ہے۔

تو تھا میرِ کارواں ہر اک مسافر کے لیے
اب کہاں جائے گا سارا کارواں تیرے بغیر

حضور سیدنا پاک کے روضہ کی تعمیر بھی آپ کا ایک عظیم کرامتی کارنامہ ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ تقریباً پانچ صدی سے حضور سیدنا پاک کے روضے کی تعمیر کی کوشش کی جارہی تھی، لیکن کامیابی نہیں مل پارہی تھی۔ آپ کے عہدِ سجادگی کے ابھی چالیس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ خواب میں حضور سیدنا پاک تشریف لائے اور روضے کی تعمیر کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی۔ آپ نے اپنی خوش بختی سمجھتے ہوئے کام شروع کیا اور بحمدہٖ تعالیٰ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ آج سیدنا پاک کے روضۂ انور پر جو عالی شان گنبد، خوب صورت نقش و نگار، دیدہ زیب کشیدہ کاری اور جمالیاتی ذوق کی رونمائی کا حسین منظر نظر آتا ہے، یہ سب آپ ہی کا زریں کارنامہ ہے۔

ایک خوبی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی تھی، وہ تھی سادگی۔ زندگی بھر طبیعت میں سادگی غالب رہی، زرق برق ملبوسات سے ہمیشہ اجتناب رہا، معمولات میں عمر بھر فرق نہ آیا۔ شریعت مصطفوی کی پابندی خود بھی کیے اور اپنے عقیدت مندوں کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا حکم بھی دیا۔

المختصر حضرت سید نیّر میاں قادری علیہ الرحمہ کی زندگی سادگی، تقویٰ اور خدمتِ خلق کا حسین امتزاج تھی۔ ان کی خانقاہ علم و عرفان کا مرکز اور روحانی تربیت کی موثر درسگاہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور ان کے قائم کردہ مشن کو جاری و ساری رکھنے والوں کی مدد فرمائے۔ آمین۔

صدائے بازگشت

ایک سانحہ، کئی سوالات

بخدمتِ جناب مدیر اعلیٰ صاحب، ماہنامہ اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرحوم مولانا توصیف رضا، ٹھاکر گنج، کشن گنج (بہار) کی زندگی کی آخری ریکارڈنگ کے چند جملے: ہیلو! ... ایک شرابی نے مجھے ٹرین میں پکڑ لیا ہے، الٹا سیدھا بول رہا ہے، مجھے مار رہا ہے، فلاں کو کہو پولیس کو فون کرے....،،

ان الفاظ کو سننے کے بعد دل و دماغ دونوں اضطراب اور کرب میں مبتلا ہیں۔ ریکارڈنگ کا ہر ہر جملہ مولانا پر ڈھائے جانے والے ظلم و بربریت کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔ سامنے ایک نشے میں دھت شخص ہے جو اذیت دے رہا ہے، مار رہا ہے؛ ٹرین کا ڈبہ مسافروں سے بھرا ہوا ہے، مگر اس عالَم میں اپنی اہلیہ کو فون کرنا اس بات کی صریح علامت ہے کہ یا تو کوئی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا، یا پھر ظلم کی شدت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ درجنوں مسافر بھی بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔

ہر دو صورتیں معاشرے کے سنجیدہ اور انصاف پسند افراد کے لیے چبھتا ہوا سوال ہیں: کیا ٹرین میں موجود افراد اپنے فون سے پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتے تھے؟ کیا ایک شرابی کے خلاف سب مل کر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے؟ کیا مسافر مولانا کی تنہائی اور بے بسی کو محسوس نہ کر سکے؟ کیا ٹرین سے نیچے پھینکے جانے کے بعد بھی اس ظالم کو قانون کے حوالے نہ کیا جا سکا؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے، تو پھر ہمیں اپنی انسانیت کے جنازے پر ماتم کرنا چاہیے۔ مولانا کی موت بظاہر ایک فرد کی موت ہے، لیکن حقیقت میں یہ ہمارے اجتماعی ضمیر کی موت کی علامت ہے۔

ایسے دلخراش واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ محض تماشائی بنے رہنا بھی ایک طرح کی خاموش شراکت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کریں اور عملی اقدام کی راہ اپنائیں۔ اس سلسلے میں چند مفید تجاویز درج ذیل ہیں:

○ سفر کے دوران ریلوے پولیس کے ہنگامی نمبرز اپنے پاس محفوظ رکھیں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔ ○ کسی بھی ظلم یا ناانصافی کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ ○ اجتماعی طور پر آواز بلند کریں اور مظلوم کا ساتھ دیں۔ ○ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی اور دوسروں کی حفاظت کا اہتمام کریں۔ ○ یاد رکھیں، چند مفاد پرست عناصر کی وجہ سے سفر کی راہیں ضرور دشوار ہو سکتی ہیں، مگر باہمی اتحاد، شعور اور ہمت سے مشکلات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

عربی مقولہ ہے: الرفیق قبل الطریق.

یعنی سفر سے پہلے ساتھی کا انتخاب ضروری ہے۔

اللہ پاک مولانا مرحوم توصیف رضا صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کے اہل خانہ کو صبر و اجر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

از: **مفتی محمد اختر علی واجد القادری**

جامعہ اسلامیہ میرا روڈ ممبئی

صومالیہ میں خوراک کا بحران

ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق صومالیہ میں خوراک کے بحران کے سبب لاکھوں افراد بھوک کا شکار ہوگئے ہیں، ورلڈ فوڈ پروگرام نے جمعرات کو خبردار کیا کہ صومالیہ میں خشک سالی، تنازعات، نقل مکانی اور انسانی امداد کے فنڈز میں کمی کے باعث لاکھوں افراد خوراک کی عدم تحفظ کی سنگین سطح تک پہنچ رہے ہیں۔ ڈبلیوایف پی کے مطابق، صومالیہ میں اب 65 لاکھ افراد خوراک کے بحران کی سطح یا اس سے بدتر حالت میں ہیں، جو ایک سال قبل کے اعداد و شمار سے تقریباً دگنا ہے۔ ان میں سے 20 لاکھ افراد خوراک کی شدید قلت کا شکار ہیں، جب کہ 18 لاکھ سے زائد بچوں کو اس سال شدید یا خطرناک غذائی قلت کا سامنا ہونے کا خدشہ ہے۔

ایجنسی نے کہا کہ یہ صورت حال 2022ء کے بحران سے مشابہت رکھتی ہے، جب صومالیہ قحط کے قریب پہنچ گیا تھا۔ تاہم، اس بار امداد کی کمی امدادی عمل کو محدود کر رہی ہے۔ بعد ازاں شمال مشرقی صومالیہ کے پنٹ لینڈ علاقے میں، تین بارشوں کے موسم ناکام ہونے کے بعد عوام کی آمدنی اور خوراک کی فراہمی میں بہت زیادہ کمی آئی ہے۔ دِبلین گاؤں کی رہائشی صفیہ محمد نے بتایا کہ ان کے جانوروں کی تعداد 100 سے کم ہو کر صرف پانچ رہ گئی ہے۔ تاہم فنڈز کی کمی نے ڈبلیوایف پی کو 30 اضلاع میں ہنگامی خوراک کی امداد روکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بعد ازاں ایجنسی فی الحال صرف 10 میں سے ایک شخص تک پہنچ پاتی ہے، جب کہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جولائی تک ہنگامی امداد روکنا پڑ سکتی ہے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کو امداد سے نکال دیا گیا ہے، اور ڈبلیوایف پی کے تعاون سے چلنے والے صحت مراکز 2025 کے 600 سے کم ہو کر 120 رہ گئے ہیں۔

ہنٹا وائرس: ڈبلیو ایچ او کی مزید کیسز کی وارننگ

ہنٹا وائرس وبا کا پتہ نیدرلینڈز کے پرچم والے کروز جہاز 'ایم وی ہونڈیئس' پر چلا، جس نے ارجنٹائنا سے بحرِ اوقیانوس کے راستے کیپ وردے کا سفر کیا تھا۔ اس جہاز پر 23 ممالک سے تعلق رکھنے والے تقریباً ۱۵۰ مسافر اور عملہ سوار تھا۔

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے خبردار کیا ہے کہ آنے والے ہفتوں میں ہنٹا وائرس کے مزید معاملات سامنے آسکتے ہیں۔ اس درمیان متعدّد ممالک کے طبی حکام نے مانیٹرنگ کی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ ڈبلیو ایچ او کے ڈائریکٹر جنرل کے مطابق یہ وبا قریبی رابطے کے ذریعے انسان سے انسان میں منتقل ہونے کی محدود صلاحیت رکھتی ہے۔

ڈبلیو ایچ او نے بتایا کہ پہلے مسافر میں ۶ اپریل کو اس کی علامات ظاہر ہوئیں اور وہ 11 اپریل کو جہاز پر ہی انتقال کر گیا۔ اس کی بیوی سینٹ ہیلینا میں جہاز سے اترنے کے بعد بیمار ہوئی اور اس نے 25 اپریل کو جوہانسبرگ میں دم توڑ دیا۔ تیسرا مسافر 2 مئی کو ہلاک ہوا، جب کہ ایک اور متاثرہ مریض جنوبی افریقہ میں انتہائی نگہداشت میں زیرِ علاج ہے۔ تین مسافروں کو طبی امداد کے لیے نیدرلینڈز منتقل کیا گیا، جن میں ایک برطانوی مسافر، 65 سالہ جرمن شہری اور عملے کا رکن 41 سالہ ڈچ شہری شامل ہے۔ ان میں سے دو کی حالت تشویشناک ہے۔

دریں اثنا، ارجنٹائنا حالیہ برسوں میں ہنٹا وائرس کے بدترین قہر کا سامنا کر رہا ہے۔ لاطینی امریکی ملک میں 26-2025 کے دوران 101 تصدیق شدہ معاملات درج کیے گئے ہیں۔ گزشتہ سال 57 معاملات سامنے آئے تھے۔

سرگرمیاں

خبر و خبر

کرنل صوفیہ قریشی کے معاملے میں عدالت برہم

سپریم کورٹ نے کرنل صوفیہ قریشی کے خلاف قابل اعتراض تبصرہ کرنے پر مدھیہ پردیش کے وزیر وجے شاہ کے خلاف مقدمہ کی منظوری میں تاخیر پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ جمعہ کو اس معاملہ میں سماعت کے دوران سالیسٹر جنرل آف انڈیا تشار مہتا نے اس کیلئے مزید مہلت کی درخواست کرتے ہوئے وجے شاہ کے تبصروں پر صفائی پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن عدالت نے اس کو مسترد کردیا۔ سالیسٹر جنرل نے کہا کہ شاید وزیر نے کرنل صوفیہ کی تعریف کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن بات کچھ اور کہہ دی کیونکہ وہ پیغام کو ٹھیک سے بیان نہیں کرسکے۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ وزیر کے بیانات کا دفاع نہیں کررہے ہیں، لیکن یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے، یہ مدھیہ پردیش حکومت کا موقف نہیں۔ قابل ذکر ہے کہ بنچ وجے شاہ کی طرف سے دائر درخواست کی سماعت کررہی تھی جس میں مئی 2025 میں مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کی طرف سے ان کے تبصروں پر ایف آئی آر درج کرنے کے لیے منظور کردہ از خود نوٹس کو چیلنج کیا گیا تھا، جس میں وزیر نے پرکرنل قریشی کو دہشت گردوں کی بہن قرار دیا تھا۔ سپریم کورٹ نے گزشتہ سال ان کی گرفتاری پر روک لگاتے ہوئے معاملے کی تحقیقات کے لیے خصوصی تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی تھی۔ ایس آئی ٹی کی جانب سے حتمی رپورٹ پیش کرنے کے بعد، عدالت نے ریاست سے کہا تھا کہ وہ منظوری دے کہ وزیر کے خلاف بی این ایس کی دفعہ 196 تحت کی کارروائی کے لیے مقدمہ چلایا جائے یا نہیں۔ وزیر کے دیگر متنازع بیانات کے حوالے سے ایس آئی ٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے جسٹس باغچی نے کہا کہ ”اس آدمی کو اس طرح کے بیانات دینے کی عادت ہے“۔ اس پر وجے شاہ کے وکیل ایڈوکیٹ منیندر سنگھ نے کہا کہ وزیر نے بیانات کے لیے عوامی طور پر معافی مانگی ہے۔ سی جے آئی نے کہا کہ یہ مخلصانہ معافی نہیں ہے۔ عدالت نے اس بات کا نوٹس لیا کہ آپ نے یہ کیا۔ خط لکھنا معافی نہیں ہے۔ یہ صرف فرضی دفاع ہے۔ آپ کو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی چاہیے تھی۔ (بشکریہ: روزنامہ انقلاب 9 مئی 2026)

ناندیڑ میں بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد

ناندیڑ کے ضلع سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ابیناش کمار کی ہدایت پر جاری ’آپریشن کریک ڈاؤن‘ کے تحت ناندیڑ (دیہی) پولیس نے تقریباً 43 لاکھ 48 ہزار روپے کا غیر قانونی اسلحہ ضبط کیا ہے۔ ہتھیاروں کا اتنا بڑا ذخیرہ دیکھ کر خود پولیس والے بھی حیران رہ گئے۔

اطلاع کے مطابق پولیس انسپکٹر اومکانت چنچولکر اپنی ٹیم کے ساتھ بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب گشت پر تھے۔ اسی دوران بلیراپور علاقے میں ایک مشتبہ شخص کمر میں خنجر اور تلوار لٹکائے گھومتا ہوا نظر آیا۔ پولیس نے اسے حراست میں لے کر پوچھ تاچھ کی تو اس نے اپنا نام ابھجیت گری دھر ساتپوتے بتایا۔ ملزم نے دورانِ تفتیش انکشاف کیا کہ مذکورہ تلوار اور خنجر اس نے گرو رام داس نگر، ناندیڑ سے خریدے ہیں۔ تحقیقات کے دوران معلوم ہوا کہ اسلحہ کا یہ ذخیرہ ناندیڑ کے اینچل نگر علاقے میں رہنے والے جسونت سنگھ پرکاش سنگھ سکھ منی کا ہے۔ پولیس نے پورا ذخیرہ ضبط کرتے ہوئے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے۔ اس کارروائی پر پولیس سپرنٹنڈنٹ ابیناش کمار نے متعلقہ افسران اور اہلکاروں کی ستائش کی ہے۔ فی الحال پولیس فرار ہونے والے شخص اور ہتھیاروں کے اصل مالک جسونت سنگھ کو تلاش کررہی ہے۔ ساتھ ہی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ غیر قانونی ہتھیاروں کے کاروبار کا یہ نیٹ ورک کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ انقلاب 8 مئی 2026) ■■■

خیابان حرم

نعتیں

(۱)

شہر نبی کی زینت و زیبائی مل گئی
یعنی خیال و فکر کو رعنائی مل گئی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر روشنی نہ تھی
پایا در رسول تو بینائی مل گئی
خاک در رسول اڑا دی جو اس کی سمت
فوراً مرے غنیم کو پسپائی مل گئی
دیوانے مصطفیٰ کے جو قسمت سے مل گئے
فہم و شعور مل گئے، دانائی مل گئی
آقائے کائنات کی رحمت کے فیض سے
میرے اک ایک شعر کو گہرائی مل گئی
جس نے جو چاہا مل گیا سرکار سے اسے
مجھ کو قلندری اسے دارائی مل گئی
دیوار و در مدینے کے چومے تو یوں ہوا
باد سبک خرام کو برنائی مل گئی
جس خاک پر نبی نے مرے رکھ دیے قدم
اس خاک کو ادائے مسیحائی مل گئی
عشق شہ امم نے گلے سے لگا لیا
اے نور مجھ کو اس لیے تنہائی مل گئی

سید محمد نورالحسن نور نوّابی قاضی پور شریف

(۲)

جب سے نبی کے عشق میں میری لگی ہے آنکھ
رشکِ بہشت تب سے مِری بن گئی ہے آنکھ

دل میں چراغِ عشقِ نبی ہے تو اس لیے
تاریکیوں کے بیچ بھی روشن رہی ہے آنکھ

شہرِ مدینہ مجھ کو بھی دکھلا دے یا خدا
مدت سے دیدِ یار میں ترسی ہوئی ہے آنکھ

دیکھا ہے جب سے چاند نے رخسارِ مصطفی
تب سے ہلال و بدر کی شرماگئی ہے آنکھ

خاکِ مدینہ جب سے لگائی ہے آنکھ میں
پتھر صفت سے رشکِ نگینہ بنی ہے آنکھ

دیکھیں وہ کیوں نہ شہرِ مدینہ کی رونقیں
فضل خدا سے جن کو بھی عادلؔ! ملی ہے آنکھ

عادلؔ رضا پورنوی

adilpurnavi305@gmail.com

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122
www.aljamiatulashrafia.org
Email: info@aljamiatulashrafia.org

JUNE 2026

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریبًا گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN